الله

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کیلئے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت (یعنی معرفت حاصل) کریں

لا إله إلا الله محمد رسول الله

کتابچہ نمبر 12

شاہراہِ معرفت

اکابر بالخصوص مجددین رحمۃ اللہ علیہم کی تعلیمات کے تعارف کیلئے

حضرت سید شبیر احمد کاکاخیل دامت برکاتہم

مسترشد حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ

و خلیفہ مجاز دیگر اکابر رحمۃ اللہ علیہم

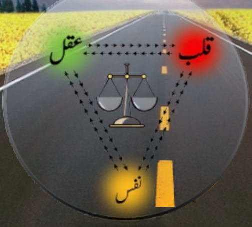

ناشر : خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ راولپنڈی

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے علوم شریعت، طریقت اور حقیقت (معرفت) سے

کتابچوں کا سلسلہ

شاہراہِ معرفت

کتابچہ نمبر 12

(رمضان۔1444ھ) بمطابق (الاحزاب۔1401 شمسی ہجری)

بمطابق (مارچ۔2023ء)

زیرِ سرپرستی

حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب مدظلہ العالی

مقصد: اسلاف کی تحقیقات سے اُمّت کو آجکل کی سمجھ میں آنے والی زبان میں روشناس کرنا

مجلس تحقیقات

زین العابدین صاحب مدظلہ

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ

مکان نمبر CB-1991/1۔ بلمقابل جامع مسجد سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ

گلی نمبر 4۔ اشرف لین نزد آشیانہ چوک۔ اللہ آباد۔ ویسٹرج 3۔ راولپنڈی

فہرست مضامین

	عنوانات	
1	دیباچہ	2
2	حمد باری تعالیٰ	4
3	نعت رسول اکرم ﷺ	5
4	عارفانہ کلام	6
5	مطالعہ سیرت بصورتِ سوال	7
6	جمعۃ المبارک کا بیان	8
7	تعلیمات مجددیہ رحمۃ اللہ علیہ	24
8	مقامات قطبیہ و مقالات قدسیہ	67
9	توضیح المعارف (پہلی قسط)	89
10	خانقاہ کے شب و روز	94

دیباچہ

الحمد للہ! اللہ پاک کا شکر ہے کہ شاہراۂ معرفت کا بارھواں شمارہ رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں اسی حوالے سے مختلف مضامین پر مشتمل آپ حضرات کی خدمت میں پیش ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور قارئین کے لئے مفید بنائے۔ آمین!

سابقہ شماروں کی طرح اس شمارے کی ابتداء بھی حمد اور نعت شریف سے کی گئی ہے اس کے بعد ایک کلام شامل کیا گیا ہے۔

چونکہ رمضان کا مہینہ شروع ہو چکا ہے اس لیے مناسب یہی تھا کہ اس ماہِ مبارک کے حوالہ سے قارئین تک رمضان کے حوالے سے گزارشات پیش خدمت کی جائیں تاکہ وقت پر اس مبارک مہینے سے استفادہ کیا جاسکے۔

اس لیے اس شمارے میں جو نثری مضامین شامل کیے گئے ہیں ان میں پہلا "مطالعہ سیرت" کے عنوان سے ہے جس میں حدیث "**مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ**" کی خوبصورت تشریح کی گئی ہے۔

دوسرا مضمون جمعہ مبارک کا بیان ہے جس میں ماہِ رمضان کی اہمیت بتائی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اس ماہ مبارک میں کیسے اعمال کیے جائیں اور لیلۃ القدر کی اہمیت اور اسے حاصل کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

گزشتہ شماروں میں مختصرات سلوک کتاب سے مضامین شامل کیے گئے تھے جو گیارھویں شمارے میں مکمل ہوگئے تھے۔ اس بار حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتھم کی ایک اور تصنیف "توضیح المعارف" میں سے روح کے بارے میں اکابرین کی تحقیقات پیش کی گئی ہیں۔

اس شمارے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مختلف مکاتیب سے تعلیمات بیان کی گئی ہیں جن میں حضرت نے بدعت سے اپنی بیزاری کو کھل کر بیان فرمایا ہے۔ اس کے بعد علماء سوء کے علم کا ان کے حق میں فائدہ مند نہ ہونے کو بیان فرمایا ہے

پھر آگے جا کر صحابہ پر طعن کرنے والوں کو شافی مدلل جوابات دیے ہیں۔ آخر میں حضرت نے سنت پر عمل کرنے اور بدعت سے اجتناب کرنے کی نصیحت فرمائی ہے۔

حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات میں سے درس نمبر 9 شامل کیا گیا ہے جس میں حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حزن، عشق، فکر اور معرفت کو تفصیل سے بیان کیا گیاہے۔اس کے بعد حضرت نے "حسنات الابرار سیئات المقربین" کی آسان فہم تشریح فرمائی۔ پھر اس کے ضمن میں یہ بتایا گیا ہے کہ ذکر اور فکر دونوں ایک ساتھ ہوں گے تو فائدہ ہوگا صرف ذکر یا صرف فکر سے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہو سکتے۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ شمارۂ ہذا کا بغور مطالعہ فرمائیں اور اپنی کیفیات و آراء سے مطلع فرمائیں۔ اللہ کریم ہماری کامل اصلاح فرمائے اور ہمیں دائمی رضا سے نوازے۔ آمین۔

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ

حمد باری تعالیٰ

کسی قابل بھی ہے ہستی اپنی

اس پہ واروں میں زندگی اپنی
اس نے ہی دی ہے کب یہ تھی اپنی

وہ مجھے ہوش میں جب لاتے ہیں
بھول جاتا ہوں میں مستی اپنی

اس کے کہنے پہ جاؤں قرباں میں
کسی قابل بھی ہے ہستی اپنی

سر کے بل جاؤں اس کی خدمت میں
گر کوئی چیز مانگ لی اپنی

بھول جانے کو بھی میں بھول گیا
پیش کرتے ہوئے نیستی اپنی

اس نے جو کرلیا شبیرؔ قبول
کیسی خوش بخت ہے شاعری اپنی

کلام: حضرت اقدس شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل دامت برکاتہم

کتاب: پیغامِ محبت

نعت شریف

تن من میرا اب آپ پر فدا ہو یا رسول
سنت کے مطابق کام ہر میرا ہو یا رسول

اب سینہ میرا ذکر سے ہو جائے منور
اور دل بھی میرا اس سے مجلیٰ ہو یا رسول

میں امتی آپ کا ہوں گناہ گار و سیاہ کار
طالب ہوں اب کرم کا آپ کا ہوں یا رسول

وقت زندگی کا ہم نے تو یونہی گنوا دیا
آخر تو میرا ٹھیک ہو گیا ہو یا رسول

توبہ کی میں تجدید کروں سامنے آپ کے
جو ہو گناہ معاف ہوچکا ہو یا رسول

خجلت سے آنکھ اٹھ نہیں سکتی شبیؔر کی
اب ختم گناہوں کا سلسلہ ہو یا رسول

کلام: حضرت اقدس شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم
کتاب: شاہراہِ محبت

عارفانہ کلام

اک عشق کی منزل رمضان ہے

اک عشق کی منزل حج ہے اگر اک عشق کی منزل رمضاں ہے
دونوں سے اللہ ملتا ہے دونوں کے پیچھے رحماں ہے

اک دل دینا اللہ کو ہے اک نفس کو قابو کرنا ہے
اک قربانی کا منظر ہے اور اک کے اندر قرآں ہے

اک ڈوب جانے میں ملنا ہے اک ملنے میں ڈوب جانا ہے
وہ بھی تو رب کا احساں ہے یہ بھی تو رب کا احساں ہے

اک میں خود کو دیکھو نہیں اک میں خود میں اس کو دیکھو
اک میں کرنا اس کے لئے اک میں رکنے کا فرماں ہے

ایک بولتی اپنی بند رکھنا اک بولی اس کی سننا ہے
پہلے پہ پھر کیا ملتا ہے اور دوسرے کی بھی کیا شاں ہے

میں دونوں کا شیدا ہوں شبیرؔ مٹ مٹ کے اس کا بن جاؤں
یہ دونوں میرے رستے ہیں اور منزل میری جاناں ہے

کلام: حضرت اقدس شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم
کتاب: پیغامِ محبت

مطالعہ سیرت بصورتِ سوال

سوال:

آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: **مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ**۔ اس حدیث شریف میں ایمان کی بات تو واضح ہے لیکن احتساب سے کیا مراد ہے؟

جواب:

ایمان تو بالکل واضح چیز ہے کیونکہ ہر زبان میں ایمان کا مطلب یہی ہے۔ البتہ احتساباً کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ انسان اپنا احتساب کرے دو وجوہات سے۔ ایک تو انسان عمل کس طرح کرتا ہے اور دوسرا یہ ہے کہ انسان کس ارادے سے عمل کرتا ہے۔ یہ دو چیزیں اہم ہوتی ہیں، جیسے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "**إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ**" (بخاری شریف: 1)

ترجمہ: "تمام اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے"۔

لہذا اگر نیت میں خرابی ہو گی یعنی نیت دنیا کے لیے ہو گی یا ورزش کی نیت ہو گی یا کوئی اور نیت ہو گی تو پھر اس کو وہی ثواب ملے گا جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے، اور اگر اس کی نیت یہ ہو گی کہ اللہ پاک مجھ سے راضی ہو جائے تو پھر عمل کا نتیجہ اس کی نیت کے مطابق مرتب ہو گا۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ انسان اس عمل کو کیسے کرتا ہے یعنی سنت کے مطابق کرتا ہے یا سنت کے خلاف؟ اس میں کوشش اور ہمت کرتا ہے یا اس میں سستی کرتا ہے؟ تو یہ مطلب ہے احتساباً کا کہ احتساب میں انسان کو اپنی نیت اور اپنے عمل کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔ تو بس یہی بات ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص صحیح نیت کے ساتھ آپ ﷺ کے طریقے پر ہمت کے ساتھ، خوش دلی کے ساتھ رمضان مبارک کا مہینہ گزارے جس طرح کہ فرمایا گیا ہے تو اس کے گزشتہ گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے۔ اللہ جل شانہ ہم سب کو توفیق عطا فرما دے۔

جمعہ بیان

(رمضان المبارک کے اعمال کے بیان میں)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

اَمَّا بَعْدُ!

فَأَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرہ: 183)

ترجمہ: "اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کر دیئے گئے تھے، تاکہ تمہارے اندر تقوی پیدا ہو"۔

"عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ آخِرَ یَوْمٍ مِنْ شَعْبَانَ فَقَالَ: یَا أَیُّھَا النَّاسُ إِنَّہٗ «قَدْ أَظَلَّکُمْ شَھْرٌ عَظِیْمٌ شَھْرٌ مُبَارَكٌ فِیْہِ لَیْلَۃٌ خَیْرٌ مِنْ أَلْفِ شَھْرٍ فَرَضَ اللّٰہُ صِیَامَہٗ وَجَعَلَ قِیَامَ لَیْلِہٖ تَطَوُّعًا، فَمَنْ تَطَوَّعَ فِیْہِ بِخَصْلَۃٍ مِّنَ الْخَیْرِ کَانَ کَمَنْ أَدّٰی فَرِیْضَۃً فِیْمَا سِوَاہُ، وَمَنْ أَدّٰی فِیْہِ فَرِیْضَۃً کَانَ کَمَنْ أَدّٰی سَبْعِیْنَ فَرِیْضَۃً، وَھُوَ شَھْرُ الصَّبْرِ، وَالصَّبْرُ ثَوَابُہُ الْجَنَّۃُ، وَھُوَ شَھْرُ الْمُوَاسَاۃِ، وَھُوَ شَھْرٌ یُّزَادُ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ فِیْہِ، مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا کَانَ لَہٗ عِتْقُ رَقَبَۃٍ وَّ مَغْفِرَۃٌ لِّذُنُوْبِہٖ» قِیْلَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَیْسَ کُلُّنَا یَجِدُ مَا یُفَطِّرُ الصَّائِمَ قَالَ: «یُعْطِی اللّٰہُ ھٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰی مَذْقَۃِ لَبَنٍ أَوْ تَمْرَۃٍ أَوْ شَرْبَۃِ مَآءٍ وَمَنْ أَشْبَعَ صَائِمًا کَانَ لَہٗ مَغْفِرَۃٌ لِّذُنُوْبِہٖ وَسَقَاہُ اللّٰہُ مِنْ حَوْضِیْ شَرْبَۃً لَّا یَظْمَأُ حَتّٰی یَدْخُلَ الْجَنَّۃَ وَکَانَ لَہٗ مِثْلُ أَجْرِہٖ مِنْ غَیْرِ أَنْ یُّنْقَصَ مِنْ أَجْرِہٖ شَیْئًا، وَھُوَ شَھْرٌ أَوَّلُہٗ رَحْمَۃٌ وَّ أَوْسَطُہٗ مَغْفِرَۃٌ وَّ

اٰخِرُهٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ، وَمَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوْكِهٖ فِيْهِ أَعْتَقَهُ اللهُ مِنَ النَّارِ"
(ابن أبي أسامة، الحارث بن محمد بن داهر، بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث، حديث نمبر: **321**)

صَدَقَ اللهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ

ترجمہ: "سلمان فارسی رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے ہمیں شعبان کے آخری دن میں خطبہ ارشاد فرمایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! تم پر عظمت اور برکت والا ایک مہینہ سایہ فگن ہے، جس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس مہینہ کے روزوں کو اللہ نے فرض کیا ہے اور اس کی رات میں قیام کرنے کو نفل قرار دیا ہے، جو شخص اس ماہ میں کسی بھی نیکی کے ساتھ نفل ادا کرے گا، وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے اس کے غیر میں فرض ادا کیا، اور یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے، یہ ہمدردی کا مہینہ ہے اور یہ ایسا مہینہ ہے کہ جس میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے، جس شخص نے کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرا دیا تو وہ اس کے لیے اس کی گردن کی آزادی ہو گی اور اس کے گناہوں کی مغفرت ہو گی۔ کہا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم میں سے ہر شخص کے پاس ایسی چیز نہیں ہے کہ جس سے وہ روزہ دار کو افطار کرائے! تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ثواب اللہ اس کو بھی عطا فرماتا ہے جو ایک گھونٹ دودھ یا ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی کے ساتھ کسی کو افطار کرائے۔ اور جس نے کسی روزہ دار کو سیراب کر دیا تو یہ اس کے گناہوں کی مغفرت کا سبب ہو گا اور اللہ اس کو میرے حوض سے اتنا پانی پلائے گا کہ جنت میں داخل ہونے تک اسے پیاس نہیں لگے گی اور اس کے لیے روزہ دار کے برابر اجر ہو گا بغیر اس کے کہ روزہ دار کے اجر میں کمی کی جائے، اور یہ ایسا مہینہ ہے کہ جس کا اول حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ جہنم سے آزادی ہے، اور جس شخص نے اس مہینہ میں اپنے غلام سے (کام میں) تخفیف کر دی تو اللہ اس کو جہنم سے آزاد کر دے گا"۔

الحمد للہ! اللہ پاک ہم پر بہت بڑا فضل فرمانے والے ہیں، بلکہ اللہ کا فضل ہم پر ہو چکا ہے، کیوں کہ اللہ پاک کے لئے ماضی، حال اور مستقبل برابر ہوتے ہیں۔ اللہ کا فضل

یہ ہے کہ اللہ جل شانہ ہمیں بہت جلد ایسا مہینہ عطا فرمانے والے ہیں جو نیکیاں کمانے کے لحاظ سے، اللہ پاک کے قریب ہونے کے لئے، اپنے گناہوں کو دھونے کے لئے اور نفس کی اصلاح کے لئے بہترین مہینہ ہے، جس مہینہ کے لئے آپ ﷺ منتظر رہتے اور جب رجب کے مہینہ کا چاند دیکھتے تو یہ دعا فرماتے:

"اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ" (مجمع الزوائد، حدیث نمبر: 4774)

ترجمہ: "اے اللہ! ہمیں رجب اور شعبان میں برکت عطا فرما دے اور ہمیں رمضان شریف تک پہنچا دے"۔

رمضان شریف تک پہنچنا آپ ﷺ کی آرزوؤں میں سے ایک آرزو ہوتی تھی۔ کیا ہم لوگوں کے دلوں میں بھی آج کل یہ آرزو پائی جاتی ہے کہ رمضان شریف تک ہم پہنچ جائیں؟ آپ ﷺ کی سنتوں پر چلنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ظاہری اور باطنی دونوں قسم کی سنتوں پر عمل کیا جائے، ظاہری سنتیں تو یہ ہیں کہ ہم ظاہری اعمال آپ ﷺ کی سنت کے مطابق کریں، نماز آپ ﷺ کے طریقہ پر پڑھیں، روزہ آپ ﷺ کے طریقہ پر رکھیں، زکوٰۃ آپ ﷺ نے جس طریقے پر دینے کا حکم فرمایا ہے، اس طریقہ پر دیں، حج آپ ﷺ کے طریقہ پر ادا کریں، معاملات، معاشرت اور اخلاق سب چیزیں آپ ﷺ کے طریقہ پر ہوں۔ یہ تو ظاہر کی سنتیں ہیں۔ اور باطن کی سنت یہ ہے کہ آپ ﷺ جن چیزوں کو پسند فرماتے تھے ہم بھی ان چیزوں کو پسند کریں، جن چیزوں سے آپ ﷺ نفرت فرماتے تھے ان سے ہم بھی نفرت کریں۔ اللہ جل شانہ نے ہمیں بہت پیارے نبی عطا فرمائے ہیں اس لیے ہمیں دل و جان سے آپ ﷺ کی سنتوں پر عمل کرنا چاہیے۔ آپ ﷺ کی ایک سنت یہ بھی ہے کہ رمضان کا انتظار کیا جائے۔

رمضان شریف میں کیا ہے؟ یہ میں اور آپ نہیں جانتے۔ ہم لوگوں کی مثال اندھوں کی سی ہے کیوں کہ ہم ایمان بالغیب رکھتے ہیں اور ایمان بالغیب کا معنی یہ ہے کہ جس چیز کو دیکھا نہ ہو، جس چیز کا مشاہدہ نہ کیا ہو، اس کو کسی بتانے والے کے بتانے کی وجہ سے مان لیا جائے۔ بتانے والا کون ہے؟ وہ اللہ پاک کے محبوب، رحمۃ اللعلمین، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

آپ ﷺ نے رمضان کے بارے میں کیا فرمایا؟ یہ بات میں ابھی عرض کرنے لگا ہوں۔ بتانے والے ایک صحابی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ شعبان کے آخری دن آپ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا، الحمد للہ اس سنت پر بھی عمل ہو گیا، اللہ کا شکر ہے، کیوں آج شعبان کا آخری دن ہے۔ شعبان کے آخری دن میں آپ ﷺ نے خطبہ دیا، اس خطبہ میں فرمایا: اے لوگو! تم پر ایک عظیم مہینہ سایہ فگن ہونے والا ہے، جو مبارک مہینہ ہے اور اس مہینہ میں ایک رات ہے جو لیلۃ القدر کہلاتی ہے، لیلۃ القدر کیا ہے؟ لیلۃ القدر وہ رات ہے کہ اس ایک رات کی عبادت ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے یعنی ایک شخص نے لیلۃ القدر میں صرف ایک پارہ پڑھ لیا، وہ ایسا ہے کہ جیسے ہزار مہینے ہر رات کے اندر ایک پارہ پڑھا ہو۔ سبحان اللہ! ستائیسویں کو لیلۃ القدر کا امکان زیادہ ہوتا ہے، یہ نہیں کہ صرف ستائیسویں کو لیلۃ القدر ہوتی ہے، لیلۃ القدر کسی بھی طاق رات میں ہو سکتی ہے بلکہ جفت راتوں میں بھی امکان ہوتا ہے کیوں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ لیلۃ القدر کو طاق راتوں میں تلاش کرو۔ یہ نہیں فرمایا کہ لیلۃ القدر طاق راتوں میں ہی ہے، البتہ زیادہ امکان طاقوں راتوں میں ہے۔

ستائیسویں رات کو لیلۃ القدر کا سب سے زیادہ امکان ہوتا ہے، پھر باقی طاق راتوں میں اور پھر سب سے آخر میں جفت راتوں میں بھی اس کا امکان پایا جاتا ہے۔

سمجھانے کے لئے عرض کرتا ہوں، ویسے تو اللہ کو معلوم ہے کہ کیا حقیقت ہے؟ صرف سمجھانے کے لئے عرض ہے کہ ستائیسویں رات کو لیلۃ القدر کا سو فیصد میں سے ساٹھ فیصد امکان ہے، باقی طاق راتوں میں تیس فیصد اور جفت راتوں میں دس فیصد امکان ہے۔ اگر لیلۃ القدر جفت رات میں آگئی تو امکان تو تھا، اگرچہ دس فیصد ہی سہی لیکن امکان تو بہر حال تھا، آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ دس فیصد کا یہ مطلب ہے کہ لیلۃ القدر چھ سالوں میں ستائیسویں رات کو، تین سالوں میں باقی طاق راتوں میں اور ایک سال جفت راتوں میں ہوتی ہے۔ ایسا ہو سکتا ہے، یہ ممکن ہے۔

اب میں آپ کو یہی بات ایک دنیا کی مثال سے عرض کرنا چاہتا ہوں کیوں کہ

دنیا کی باتیں لوگوں کو بہت جلد سمجھ میں آ جاتی ہیں۔ ایک شخص کسی جگہ ملازمت کے لئے گیا، اس کو بتایا گیا کہ دس دن نوکری ہے، ہر دن آپ کو ہزار روپے ملیں گے، لیکن ایک دن ایسا ہے کہ جو آپ کو بتایا نہیں جائے گا لیکن اگر آپ نے اس دن بھی کام کر لیا تو آپ کو ایک ارب روپے ملیں گے۔ اپنے دل سے پوچھیں کہ اگر آپ لوگوں کے پاس یہ موقع ہو تو آپ کتنے دن کام کریں گے؟ پورے دس دن۔ کیوں کہ ارب روپے چھوڑنے کا حوصلہ نہیں ہے۔ اب ایک آدمی کہے کہ میں نے تو نو دن کام کیا تھا، میں نو ہزار روپے کا کیا کروں؟ تو اس کو یہی کہا جائے گا کہ بھائی! آپ کو پہلے بتایا تو تھا، آپ بھی اس دن میں کام کر لیتے، آپ کو کس نے روکا تھا؟ بس یہی بات ہے۔ رمضان کی آخری دس راتوں میں ستائیسویں رات کو بھی لیلۃ القدر کا امکان، طاق راتوں میں بھی امکان اور جفت راتوں میں بھی امکان ہوتا ہے۔ لہذا مطلب یہ ہوا کہ ہم ہر رات میں شب بیداری کریں، کیوں کہ آپ ﷺ کی یہی سنت ہے، آپ ﷺ خود بھی آخری عشرہ میں شب بیداری فرماتے تھے اور باقی خاندان والوں کو بھی جگاتے تھے، یہ بھی سنت ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ہمیں یہ کام بھی کرنا چاہیے۔

ہمارے شیخ مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں طریقہ یہ تھا کہ آخری عشرے میں جب راتیں لمبی ہوتیں تو تین مرتبہ قرآن ختم کیا جاتا، چھ راتوں میں ایک ختم، ستائیسویں رات کو دوسرا ختم اور اٹھائیسویں اور انتیسویں رات کو تیسرا ختم کیا جاتا۔ اگر ستائیسویں رات جس میں لیلۃ القدر کا امکان سب سے زیادہ ہے یعنی دس سالوں میں چھ مرتبہ لیلۃ القدر ستائیسویں رات میں ہونے کا امکان ہے، ایک قرآن ختم کیا جاتا تو اس کی برکت سے حضرت اور ان کے ساتھیوں کو ہر مہینہ نہیں بلکہ ہزار مہینوں تک ہر رات کے اندر ایک ختمِ قرآن کا ثواب مل رہا تھا۔ سبحان اللہ!

میں حضرت کی بات اس لیے کر رہا ہوں کہ حضرت کے ہاں کا یہ معمول میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، یہ آنکھوں دیکھی چیز کی گواہی دے رہا ہوں، جو لکھی ہوئی چیزیں ہیں وہ تو بہت زیادہ ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی آپ بیتی پڑھیں، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کا رمضان، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کا رمضان، حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا رمضان اور حضرت مولانا خلیل احمد سہانپوری رحمۃ اللہ علیہ کے رمضان کا کچھ مطالعہ تو کریں۔

خدا کے بندو! اپنے بزرگوں کی سوانح حیات پڑھا کرو، انہوں نے کیسی عجیب زندگی گزاری ہے، کیا ہم بھی اسی طرح زندگی گزار رہے ہیں یا ہم صرف سوتے رہیں گے؟ میں آپ کو صحابہ کی باتیں بتاتا لیکن ان کے بارے میں لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ تو بڑے لوگ تھے، ہم ان کی طرح کیسے ہو سکتے ہیں؟ شیطان نے ہمیں بہت آسانی کے ساتھ ڈاج کرنے (دھوکہ دینے) کے لئے ایک بات سمجھا دی ہے کہ وہ تو بڑے لوگ تھے، کہاں وہ اور کہاں ہم؟ ہم کیسے ان کی طرح کر سکتے ہیں؟ لیکن یہ تو میں اِس دور کی بات کر رہا ہوں، اِس دور میں بھی اللہ کا شکر ہے کہ ایسے لوگ موجود ہیں، الحمد للہ! اللہ نے مجھے بڑے عجوبے دکھائے ہیں، حضرت کی بات تو بتا دی ہے، ایک آدمی الحمد للہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جو ایک لاکھ طواف کر چکا تھا، الحمد للہ ایسے پہلوان لوگ موجود ہیں اور وہ بالکل ہشاش بشاش بیٹھے ہوئے تھے، مجھے کہا گیا کہ آپ جا کر ان کو چائے پلا دیں، میں ان کو چائے پلانے کے لئے حرم شریف میں گیا تو ان حضرت کے ساتھ بات چیت بھی ہو گئی، الحمد للہ۔ مقصد یہ ہے کہ دنیا میں عجیب عجیب لوگ ہیں، کیا ہم ان جیسے نہیں ہو سکتے؟ بل گیٹس ہونا تو بہت سارے لوگ چاہتے ہیں، بھائی! بل گیٹس کی کتنی دولت اس کے کام آئی؟ بتائیں کہ کتنی دولت اس کے کام آ رہی ہے؟ اس کی کتنی دولت ہے؟ یہ میں نہیں کہہ رہا، اگر پوری دنیا بھی اس کی ہو تو میں کیا کروں؟ لیکن اس کے کام کتنی دولت آ رہی ہے؟ یہ بتائیں۔

لیکن جس شخص نے اس رات میں ایک ختمِ قرآن کیا تو یہ رات پوری کی پوری اس کو کام آئے گی، اس کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں ہو گا، لیکن یہ چیزیں ہم حاصل نہیں کرنا چاہتے، ہمیں حاصل کرنی چاہئیں، یہ ہمارے لئے پیغام ہے کہ ہمیں یہ چیزیں حاصل کرنی چاہئیں۔

اللہ والو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ بہت کام آئے گی۔ ان شاء اللہ۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک قرب بالفرائض ہے اور ایک قرب بالنوافل، قرب بالفرائض کے

بارے میں فرمایا کہ اس سے بڑی چیز کوئی نہیں اور قرب بالنوافل کے بارے میں فرمایا کہ اس کے ذریعے بندہ ترقی کرتا رہتا ہے، کرتا رہتا ہے، کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، میں اس کا پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، میں اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔

وہ لوگ بھی بیوقوف ہوں گے جو نوافل کے لئے فرض چھوڑ دیں گے، کیوں کہ اس حدیث کا پہلا حصہ بتا رہا ہے کہ قربِ خدا حاصل کرنے کے لیے فرض سے بڑی چیز کوئی نہیں ہے۔ اور وہ لوگ بھی بیوقوف ہوں گے جو فرض کے لئے نفل چھوڑ دیں گے، لہذا وہ شخص محرومی کی طرف جا رہا ہے جو فرض پر قانع ہو کر نفل چھوڑ دے کیوں کہ نوافل کا فائدہ یہ ہے کہ اگر فرضوں میں کمی رہ گئی تو نفل کے ذریعے پوری کردی جائے گی۔ کیا خیال ہے کہ ہمارے سارے فرائض مکمل ہیں؟ کیا فرائض کے معاملے میں اطمینان ہے؟ کیا ہمیں نوافل کی ضرورت نہیں ہو گی؟ ظاہر ہے کہ ہمیں ضرورت ہو گی، اب اگر اسی بنیاد پر میں عرض کروں کہ دن میں جتنے فرائض ہیں، کم از کم اتنے نوافل تو پڑھنے چاہئیں، ان شاء اللہ فائدہ ہی ہو گا، نقصان تو نہیں ہو گا۔ نفل نمازوں کی سردار تہجد کی نماز ہے۔ تہجد کی نماز کیا ہے؟ سبحان اللہ ایسی عجیب نماز ہے کہ اس کے ساتھ ہمارا دین اور دنیا دونوں وابستہ ہیں، تہجد کے بارے میں آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ تہجد کے وقت اللہ کی طرف سے اعلان ہوتا ہے کہ "ہے کوئی تکلیف میں مبتلا شخص کہ میں اس کی تکلیف دور کروں؟ ہے کوئی پریشان حال کہ میں اس کی پریشانی دور کروں؟ ہے کوئی مصیبت زدہ کہ میں اس کی مصیبت دور کروں؟ ہے کوئی ایسا؟ ہے کوئی ایسا؟" مسلسل یہ آواز لگ رہی ہوتی ہے، آج اگر کمی ہے تو ان چیزوں پر اعتقاد کی کمی ہے، میرے پاس لوگ اپنے اپنے مسائل لے کر آتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ ان کی اپنی سمجھ بوجھ ہے۔ میں ان کو کہتا ہوں کہ تہجد کی نماز کے بعد اللہ پاک سے مانگو۔ جب میں یہ کہتا ہوں تو مجھے اس طرح دیکھتے ہیں جیسے میں نے ان کے ساتھ مذاق کیا ہے، میں گپ شپ نہیں کر رہا، واقعتاً وہ مجھے اس طرح دیکھتے ہیں جیسے میں نے ان کے ساتھ مذاق کیا ہے یا ان کو ٹال دیا ہے یا ان کو کچھ دینا نہیں چاہتا حالاں کہ صحابہ کا

طریقہ تو یہی تھا اور آپ ﷺ فرماتے ہیں: **"مَاأَنَاعَلَيْهِ وَأَصْحَابِيْ"** (سنن ترمذی، حدیث نمبر: 2641) جس راستے پر میں چلا ہوں، جس پر میرے صحابہ چلے ہیں وہی راستہ راہِ نجات ہے۔ آپ بتائیں صحابہ میں کتنے عامل تھے؟ صحابہ کے عاملوں کے کوئی نام معلوم ہیں؟ لیکن تہجد کے وقت نماز میں کھڑے ہونے والے کتنے صحابہ تھے؟ با قاعدہ ان کا ذکر قرآن کی سورۃ مزمل میں آیا ہے۔ لہذا ہم صحابہ کے طریقے پر چلیں کیوں کہ صحابہ کے طریقے کو راہِ نجات بتلایا گیا ہے کہ **"مَاأَنَاعَلَيْهِ وَأَصْحَابِيْ"** یعنی جس راستے پر میں چلا ہوں، جس راستے پر میرے صحابہ چلے ہیں وہ راہِ نجات ہے۔ اگر یہ بات میں سمجھ لوں تو مجھے اپنے مسائل کو حل کرنے کے لئے کیا کرنا چاہیے؟ اللہ کے حضور کھڑا ہونا چاہیے، دعا کرنی چاہیے، مانگنا چاہیے۔ جتنی عاجزی سے مانگو گے اتنی ہی کامیابی ہے، اللہ سے مانگو، سب سے پہلی چیز جو اللہ سے مانگو، وہ ہدایت مانگو کیوں کہ سب سے اعلیٰ اور ارفع چیز جو دنیا میں ہو سکتی ہے وہ ہدایت ہے۔ اور ہدایت کی دعا تو ہمیں اس طرح سکھائی گئی ہے کہ اسے ہر شخص کر ہی لیتا ہے، سورۂ فاتحہ میں ہے: ﴿**اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ**﴾ (الفاتحۃ: 6-5)

ترجمہ: "ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما، ان لوگوں کے راستے کی جن پر تو نے انعام کیا، نہ کہ ان لوگوں کے راستے کی جن پر غضب نازل ہوا ہے اور نہ ان کے راستے کی جو بھٹکے ہوئے ہیں"۔

یہ دعا ہم روزانہ کتنی دفعہ کرتے ہیں؟ ہر رکعت کے اندر یہ دعا کرنی ہوتی ہے، اگر یہ دعا نہیں کی تو نماز ناقص ہو گی۔ اب بھی آپ اشارہ نہیں سمجھے! ہدایت بہت بڑی چیز ہے، اگر یہ چیز رہ گئی تو سب چیزیں رہ گئیں۔ آپ نے ساری عمر بادشاہت میں گزاری لیکن ہدایت نہیں ملی تو سب ختم۔ سارے لوگ آپ کے ہاتھ چوم رہے ہوں، آپ کی عزت کر رہے ہوں، آپ کے آگے پیچھے چل رہے ہوں، اگر ہدایت نہیں ملی تو کچھ بھی حاصل نہ ہوا، سارا کچھ ضائع ہو گیا اور اگر ہدایت مل گئی تو سب کچھ حاصل ہو گیا۔ حدیث شریف موجود ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم فرماتے ہیں: کچھ ایسے بھی اللہ کے بندے ہیں جو میلے کپڑوں والے، پراگندہ بالوں والے، پریشان حال، راستے پر

چلیں تو کوئی ان کو سلام نہ کرے، اگر کسی کو مشورہ کرنا ہو تو کوئی ان کو مشورہ میں نہ بلائے لیکن اللہ کے ہاں ان کا مقام یہ ہو گا کہ اگر وہ کسی چیز کے لئے اللہ پاک پر قسم کھائیں تو اللہ پاک ان کی لاج رکھتے ہوئے قسم کو پورا کر دے گا۔ یہ ہے ہدایت۔ لہٰذا اگر ہدایت مل گئی تو بے شک آپ کے ہاتھ میں کچھ بھی نہ ہو، آپ کے پاس ذرّہ بھی نہ ہو، پھر بھی آپ کے پاس سب کچھ ہے کیوں کہ آپ کے پاس اللہ ہے اور اگر ہدایت نہیں ملی تو کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ وقت گزر جائے گا، سب کچھ ضائع ہو جائے گا۔

اب میں ذرا آپ حضرات سے پوچھتا ہوں کہ کتنے لوگ ہیں جو سورۂ فاتحہ نماز میں پڑھتے ہیں، اس بات کی طرف کبھی بھی ذہن گیا ہو؟ **"اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ"** کے اندر میں کیا مانگ رہا ہوں! بھی ذہن اس بات کی طرف گیا؟ بلکہ اس آیت کو اس طرح پڑھتے ہیں کہ یاد بھی نہیں ہوتا کہ میں نے کیا پڑھا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم ان چیزوں سے غافل ہیں، اس لیے ان چیزوں کے بار بار تذکرے ہونے چاہئیں۔ **صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین** کو اللہ پاک کے فضل و کرم سے بہت کچھ معلوم تھا لیکن اپنے اعمال کو تازہ رکھنے کے لئے ایک دوسرے سے ان چیزوں کے تذکرے کیا کرتے تھے، ان کے ہاں دنیاوی تذکرے نہیں ہوتے تھے، وہ تو معلوم نہیں کب اور کس وقت دنیاوی باتیں کرتے تھے؟ لیکن ایمان کے تذکرے، اعمال کے تذکرے، آپ ﷺ کی صحبت کے تذکرے اور آپ ﷺ کی فرمائی ہوئی باتوں کے تذکرے آپس میں صبح شام ہوتے رہتے تھے۔ ٹھیک ہے کہ ہم آپ ﷺ کے دور میں نہیں ہیں، یہ صحیح ہے، ہم وہ نہیں ہیں لیکن مجھے بتائیں کہ آپ ﷺ کی احادیث شریفہ موجود ہیں یا نہیں؟ جب احادیث موجود ہیں تو یہ احادیث آپ ﷺ کے تذکرے ہیں، کبھی کبھی ہم آپس میں احادیث شریفہ کے تذکرے کر لیا کریں۔ ابھی ما شاء اللہ تذکرہ ہی ہو رہا ہے۔ حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

"فَمَنْ تَطَوَّعَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِّنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ أَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ"

رمضان کے مہینہ میں اگر کوئی شخص نفل کام کرے تو ایسا ہے جیسا کہ اس نے فرض کام کر لیا۔ مثلاً: کوئی شخص نفل نماز پڑھ لے تو ایسا ہے کہ جیسے اس نے فرض

پڑھ لیے۔ یہ کون فرما رہے ہیں؟ آپ ﷺ فرما رہے ہیں۔

"وَمَنْ أَدّٰی فِیْهِ فَرِیْضَةً كَانَ كَمَنْ أَدّٰی سَبْعِیْنَ فَرِیْضَةً فِیْمَا سِوَاهُ"

اور جو شخص رمضان میں کوئی فرض کام کر لے تو ایسا ہے جیسے اس نے دوسرے دنوں میں ستر فرض ادا کیے۔ ہم الحمد للہ ہر روز پانچ فرض نمازیں پڑھتے ہیں، اس کے بدلے میں ہمیں پچاس نمازوں کا ثواب ملتا ہے، رمضان شریف میں ہمیں سات سو فرض نمازوں کا ثواب ملے گا۔ ان شاء اللہ۔

"وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ"

اور یہ صبر کا مہینہ ہے، سبحان اللہ۔ جب رمضان صبر کا مہینہ ہے تو اللہ پاک نے فرمایا: ﴿إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (البقرہ: 153)

ترجمہ: "بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

لہذا جو روزہ دار ہیں، ان کے ساتھ اللہ ہے۔ سبحان اللہ۔

"وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ"

اور صبر کا اجر جنت ہے۔

"وَهُوَ شَهْرُ الْمُوَاسَاةِ"

اور یہ خیر خواہی کا مہینہ ہے، ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے ساتھ خیر خواہی کرے، بغض و کینہ اور اس قسم کی دوسری چیزیں رمضان شریف میں ہم اپنے دلوں سے نکال دیں۔

بعض لوگوں نے فرض کر لیا ہے کہ زکوۃ رمضان شریف میں نکالتے ہیں حالاں کہ یہ کوئی ضروری نہیں ہے، جس وقت کسی شخص پر پہلی مرتبہ زکوۃ فرض ہوئی یعنی سال گزر گیا تو بس وہی تاریخ زکوۃ کی تاریخ ہے، وہ شخص اسی تاریخ کو زکوۃ نکالے، رمضان شریف کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن لوگوں نے فرض کر لیا ہے کہ رمضان شریف میں ہی زکوۃ نکالتے ہیں۔ خیر! یہ تو علمی بات ہے، اس کی اصلاح فرما دیجئے گا۔

لیکن ابھی میں یہ عرض کرتا ہوں کہ رمضان شریف کے آنے سے پہلے پہلے ہم اپنے دلوں کو کینہ سے، حسد سے اور بغض وغیرہ سے صاف کر لیں۔

"وَهُوَ شَهْرٌ يُّزَادُ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ فِيْهِ"

اور یہ وہ مہینہ ہے جس میں مؤمن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

"مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا كَانَ لَهٗ عِتْقُ رَقَبَةٍ وَّمَغْفِرَةٌ لِّذُنُوْبِهٖ"

جس شخص نے کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرایا، پہلے خیر خواہی کے بارے میں بتا دیا کہ جس نے کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرایا، اس کو کیا ملے گا؟ آگے اس کے بارے میں فرمایا:

"كَانَ لَهٗ عِتْقُ رَقَبَةٍ"

اس کی گردن آگ سے آزاد کر دی جائے گی۔

"وَمَغْفِرَةٌ لِّذُنُوْبِهٖ"

اور اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ سبحان اللہ یہ کتنے بڑے اجر والے اعمال ہیں!

"وَكَانَ لَهٗ مِثْلُ أَجْرِهٖ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُّنْقَصَ مِنْ أَجْرِهٖ شَيْئًا"

افطار کروانے والے کو جو اجر ملے گا، وہ روزہ دار کے ثواب سے کاٹ کر نہیں ملے گا بلکہ افطار کروانے والے کو الگ سے اتنا ثواب دیا جائے گا جتنا روزہ دار کو ثواب حاصل ہو گا یعنی روزہ دار کے ثواب میں کمی نہیں کی جائے گی کیوں کہ اللہ پاک کے پاس اجر کے بڑے خزانے ہیں۔

اب صحابہ کرام کی زندگی دیکھیں، سبحان اللہ۔ صحابہ کرام کیا پوچھ رہے ہیں؟ افطار کروانے کا اجر تو سن لیا لیکن عاجزی سے کہہ رہے ہیں۔

"قِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ"

کہا گیا: یا رسول اللہ!

"لَيْسَ كُلُّنَا يَجِدُ مَا يُفَطِّرُ الصَّائِمَ"

ہم میں سے تو ہر شخص کی تو یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو روزہ افطار کرائے، اکثر صحابہ غریب تھے، آپ حیران ہوں گے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی غریب صحابہ میں تھے، اتنے غریب تھے کہ ایک مرتبہ ایک یہودی کے کھیت کے لیے بطور ملازم پانی نکال رہے تھے، ایک ڈول پانی نکالتے تو اس پر ایک کھجور ملتی، جب ایک چلو بھر کھجوریں ہو گئیں تو آپ نے ڈول رکھ دیا، اس نے کہا کہ ابھی تو بہت کام باقی ہے، آپ مزید کما سکتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بس میرے لیے یہ کھجوریں کافی ہیں۔ سبحان اللہ۔ کیسے عجیب حضرات تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جیسے حضرات صحابہ بھی غریب تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام پوچھ رہے ہیں کہ یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کے پاس اتنی استطاعت نہیں ہے کہ ہم لوگوں کو روزہ افطار کرا سکیں، اللہ اکبر اللہ پاک کا فضل دیکھیں، فرمایا:

"يُعْطِي اللهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى مَذْقَةِ لَبَنٍ أَوْ تَمْرَةٍ أَوْ شَرْبَةِ مَآءٍ"

یہ ثواب تو اللہ پاک ان کو بھی عطا فرما دیتا ہے جو ایک گھونٹ دودھ کے ساتھ یا ایک کھجور کے ساتھ یا تھوڑے سے پانی کے ساتھ کسی کا روزہ افطار کرائیں۔ یہ اللہ پاک کا فضل ہے۔

پھر فرمایا:

"وَمَنْ أَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللهُ مِنْ حَوْضِيْ شَرْبَةً لَّا يَظْمَأُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ"

جس شخص نے کسی روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھلایا تو اس کو میرے حوضِ کوثر سے پانی پلایا جائے گا۔ واہ جی واہ۔ یہ لفظ دل سے کہنا چاہیے، معلوم نہیں کہ کونسا وقت قبولیت کا ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمتیں تقسیم ہو رہی ہوں۔

فرمایا: اس کو میرے حوض سے پانی پلایا جائے گا، اس کے بعد جنت میں داخل ہونے تک اس کو پیاس نہیں لگے گی، یہی تو پیاس لگنے کا وقت ہے، اس کے بعد تو پیاس ہے ہی نہیں، جنت میں اگر کوئی داخل ہو گیا تو پھر کیا پیاس؟ اُدھر تو عیش ہی عیش ہے۔ سبحان اللہ۔

آگے فرمایا:

"وَهُوَ شَهْرٌ أَوَّلُهُ رَحْمَةٌ"

اور یہ وہ مہینہ ہے جس کا اول حصہ رحمت ہے۔

"وَأَوْسَطُهُ مَغْفِرَةٌ"

اور اس کا دوسرا حصہ مغفرت ہے۔

"وَاٰخِرُهُ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ"

اور اس کا آخری حصہ جہنم سے خلاصی کا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں جہنم سے خلاصی نصیب فرمائے۔ دیکھیں! یہ دعا ہم نمازوں میں کرتے ہیں: "وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ"۔ میں علماء کرام سے درخواست کرتا ہوں کہ کم از کم نماز کا ترجمہ اپنے مقتدیوں کو اچھی طرح سکھائیں بلکہ مستحضر کرا دیں تاکہ ان کو سوچنے کی ضرورت نہ رہے، وہ ان الفاظ کو ایسے پڑھیں جیسا کہ اپنی زبان میں کہہ رہے ہیں، اس کا کیا فائدہ ہو گا؟ ان کی نمازیں نمازیں ہو جائیں گی، ان کو علم ہو گا کہ ہم کیا پڑھ رہے ہیں، جیسے میں نے سورۂ فاتحہ کے بارے میں عرض کیا کہ سورۂ فاتحہ میں ہے: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ یہ الفاظ کون نہیں پڑھتا؟ جو بھی نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہو رہی، لیکن کس کو علم ہے کہ ہم کیا پڑھ رہے ہیں؟ اور بہت سی باتیں ہم لوگوں کو سکھاتے ہیں، ان کے ساتھ نماز کا ترجمہ بھی سکھا دیں۔

"وَمَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوْكِهٖ فِيْهِ أَعْتَقَهُ اللهُ مِنَ النَّارِ"

اور جو شخص اس مہینہ میں اپنے غلام، خادم یا باندی کا کچھ بوجھ ہلکا کرے گا تو اللہ اس کو معاف کر دے گا اور اس کو جہنم سے خلاصی عطا فرمائے گا۔

صَدَقَ اللهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ

اب میں اس پوری بات کا لبِ لباب مختصراً عرض کرتا ہوں، رمضان شریف کا

مہینہ الحمد للہ بالکل قریب ہے، پہلے سے ہی نیت کر لیں کہ ہم نے اس ماہ میں نیکیاں کمانی ہیں اور اس ماہ میں نیکیاں کمانا کوئی مشکل نہیں، صرف نیت کرنی ہے اور ہمت کرنی ہے۔

اب میں آپ کو ایک بات بتاؤں۔ روزہ تو الحمد للہ ہم سب رکھتے ہیں، پس ہم ان روزوں کو حقیقی روزہ بنا لیں، کیسے بنائیں؟ تین چیزوں سے۔

الحمد للہ تین چیزوں (کھانا، پینا اور مباشرت) سے تو ہم روزہ کی وجہ سے رک جاتے ہیں، صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک وہ تین کام ہم نہیں کرتے لیکن وہ چیزیں جو پہلے سے حرام ہیں، ان کو بھی ہم چھوڑ دیں مثلاً جھوٹ بولنا، دھوکہ دینا، غیبت کرنا، کسی مسلمان کو ستانا، کسی کا مذاق اڑانا۔ یہ ساری چیزیں رمضان شریف کے مہینہ میں ہم چھوڑ دیں، اگر کوئی صاحب آپ کے ساتھ لڑنے لگے تو اس کے ساتھ بھی وقت ضائع نہ کریں بلکہ اس کو کہہ دیں کہ میں روزہ دار ہوں، میرے پاس ان چیزوں کے لئے وقت نہیں ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ان کو کہہ دو: "**اَنَا صَائِمٌ**"۔ "میں روزہ دار ہوں۔" اس طریقے سے کیا ہو گا؟ اس طریقے سے یہ ہو گا کہ ان شاء اللہ ہمارا روزہ روزہ ہو جائے گا اور جب روزہ روزہ ہو جائے گا تو خدا کی قسم اس سے نفس کی اصلاح ہو جائے گی کیوں کہ روزہ اللہ پاک نے تقویٰ کے حصول کے لیے فرض کیا ہے۔ اللہ پاک خود فرماتے ہیں: ﴿**لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ**﴾ (البقرہ: 183)

ترجمہ: "تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو"۔

اگر کسی کو ایمان کے ساتھ تقویٰ حاصل ہو گیا تو یہ بات یقینی ہے کہ وہ آدمی ولی اللہ ہے کیوں اللہ پاک نے خود فرمایا ہے: ﴿**اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ**﴾ (یونس: 62)

ترجمہ: "یاد رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں، ان کو نہ کوئی خوف ہو گا، نہ وہ غمگین ہوں گے، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کیے رہے"۔

ان کے پاس کیا ہو گا؟ ان کے پاس ایمان اور تقویٰ ہو گا۔ سبحان اللہ۔ ایمان تو الحمد للہ ہمیں حاصل ہے، اس پر ہمیں بہت ہی شکر ادا کرنا چاہیے اور تقویٰ ہم حاصل کر لیں، تقویٰ روزہ سے حاصل ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ پاک نے فرمایا ہے، اگر ہم نے صحیح معنوں میں روزہ رکھ لیا، رمضان کی تراویح دل سے ادا کی اور اس کو بوجھ نہ سمجھا تو ہم اس ماہ میں بہت کچھ کما سکتے ہیں۔ اگر آپ کسی کو سونے کی کان پر لگا دیں اور ان سے یہ کہہ دیں کہ تیس دن آپ اس میں سے جتنا سونا نکال سکتے ہیں، نکالیں، مجھے بتائیں وہ کتنا سونا نکالے گا؟ کیا ایک تولہ نکالے گا؟ یہ ساری چیزیں تو دنیا میں رہ جائیں گی مگر روزہ سے جو آپ کو حاصل ہو گا وہ آپ کے ساتھ جائے گا لہذا رمضان سے جتنا ثواب حاصل کر سکتے ہیں کر لیں، رمضان شریف کا مہینہ سونے کی کان کی مانند ہے۔

آخر میں آپ کو ایک خطرناک بات بتاتا ہوں، بتانا مجبوری ہے اور وہ خطرناک بات یہ ہے کہ اللہ پاک کے فضل سے ہی سب کچھ ملے گا اور جو شخص اللہ کے فضل کی نا قدری کرے تو اس کا کیا بنے گا؟ میں نہیں کہتا کیوں کہ ہمارا تو اتنا منہ ہی نہیں کہ ہم اس بارے میں بات کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے، آپ ﷺ نے ممبر پر چڑھتے ہوئے تین دفعہ آمین کہا، صحابہ کرام نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! آج آپ نے ممبر پر چڑھتے ہوئے تین دفعہ آمین کہا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: "جبرئیل علیہ السلام نے مجھے کہا کہ میں دعا کرتا ہوں، آپ اس پر آمین کہیے۔ پہلی دفعہ جبرئیل علیھم السلام نے کہا: جس شخص کو رمضان شریف کا مہینہ نصیب ہوا اور اس کی مغفرت نہ ہوئی، اللہ اس کو تباہ و برباد کر دے۔ میں نے کہا: آمین۔ دوسری دفعہ جبرئیل علیھم السلام نے کہا: جس شخص کے والدین زندہ ہوں اور وہ ان کی خدمت سے جنت نہ حاصل کر سکے تو اللہ اسے تباہ و برباد کرے۔ میں نے کہا: آمین۔ تیسری دفعہ میں جبرئیل علیھم السلام نے کہا: جس شخص کے سامنے آپ ﷺ کا نام لیا جائے اور وہ درود شریف نہ پڑھے تو وہ تباہ و برباد ہو جائے۔ میں نے کہا: آمین۔" یہ بات میں اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ یہ نیکیاں کمانے کے مواقع ہیں، درود شریف کے بہت فضائل ہیں، ماں باپ کی خدمت کے بہت فضائل ہیں، رمضان شریف کے بہت فضائل ہیں، یہ سب

اللہ جل شانہ کے فضل کا نظارہ ہیں، اگر کوئی شخص اللہ کے اس فضل کی ناقدری کرے گا تو سزا بھی بہت سخت ہے۔

یاد رکھو سائیکل سے اگر کوئی گرے تو تھوڑی سی خراش آئے گی، کار وغیرہ سے گرا تو شاید بچ جائے اور اگر کوئی شخص جہاز سے گرے تو کیا اس کے بچنے کا امکان ہوتا ہے؟ بس یہی بات ہے کہ رمضان شریف سے فائدہ نہ اٹھانا جہاز سے گرنے کی طرح ہے۔ اس لیے آج پوری ایمانداری کے ساتھ عہد کر لیں کہ اس رمضان شریف کو ہم نے اپنے لیے مغفرت کا ذریعہ بنانا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ بنانا ہے، تقریریں بہت ہیں، تقریریں ہو جائیں گی، تقریروں سے کیا ہوتا ہے؟ تقریریں صرف یاد دہانی کر سکتی ہیں، اصل تو عمل ہے، عمل سے انسان کو سب کچھ ملتا ہے۔ "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ" (بخاری شریف، حدیث نمبر: 1) اگر آپ لوگوں نے عمل کا ارادہ کر لیا تو یہ ارادہ بھی نوٹ ہو جائے گا، ارادہ کا ثواب تو آپ کو ابھی مل جائے گا، اس کے بعد اگر اللہ پاک کی طرف سے توفیق ہو گئی اور عمل نصیب ہو گیا تو اس صورت میں اجر بھی مل جائے گا۔

میں اپنے گزشتہ گناہوں سے تعلق ختم کرنے کے لیے کچھ الفاظ کہتا ہوں، آپ سب بھی میرے ساتھ وہ الفاظ دہرا لیں، ان شاء اللہ العزیز یہ بھی ہمارے لیے نوٹ ہو جائیں گے۔

اے اللہ! ہم تمام گناہوں سے توبہ کرتے ہیں، خواہ وہ چھوٹے ہیں یا بڑے، مجھے معلوم ہیں یا نہیں، مجھ سے قصداً ہوئے ہیں یا خطاء سے، ظاہر کے گناہ ہیں یا باطن کے۔ اے اللہ! مجھے معاف کر دے، آئندہ کے لئے ان شاء اللہ میں گناہ نہیں کروں گا، اگر غلطی سے گناہ ہو گیا تو فوراً توبہ کروں گا۔ اے اللہ! مجھے صالحین میں سے بنا دے، صالحین کا ساتھ نصیب فرما اور صالحین کے ساتھ اٹھا۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

تعلیمات مجددیہ رحمۃ اللہ علیہ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی عقائد کے بارے میں تعلیمات گزشتہ ہفتوں میں بیان ہو چکی ہیں۔ اب اعمال کے بارے میں بات ہو گی۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات شریفہ کے اندر بہت سارے علوم ہیں، لیکن بعض دفعہ زبان پر ایک بات چل پڑتی ہے کہ یہ چیزیں مشکل ہیں۔ پھر بعض دفعہ صرف اس بات کی وجہ سے کہ یہ مشکل ہیں، کوئی ان کو ہاتھ نہیں لگاتا اور اگر ہاتھ لگاتا ہے تو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ لہذا حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے کو حضرت کے مکتوبات شریفہ کی مدد سے سمجھنے کی بڑی ضرورت ہے، یعنی جو باتیں کسی بھی اچھے طریقے میں غلطی سے شامل ہو چکی ہوں اور ان سے نقصان ہو رہا ہو، ان کی نشان دہی کی جائے اور حضرت نے جو مفید باتیں کی ہیں، ان سب سے استفادہ کیا جائے۔ ابھی الحمد للہ اعمال کے بارے میں بات ہو رہی ہے۔

اللہ پاک کا فرمان ہے: لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنۡ کَانَ یَرۡجُوا اللّٰہَ وَالۡیَوۡمَ الۡاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیۡرًا ؕ (الاحزاب:21)

ترجمہ: "حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ سے اور یوم آخرت سے امید رکھتا ہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو۔"

اس لئے اہلِ حق کے ہاں سنتوں پر عمل اور سنت کی دعوت یقینی امر ہے تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں کیوں نہ ہوتا؟ ورنہ بدعت جو سنت کے مقابل ہوتی ہے، اس سے بیزاری کیوں نہ ہو؟ اب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ان تعلیمات کے بارے میں بتایا جائے گا جو بدعت کے رد میں ہیں۔

الحمد للہ! ایک درس پہلے ہو چکا ہے جس میں سنت کے بارے میں بات ہو چکی ہے۔ آج بدعت کے رد کے بارے میں ان شاء اللہ بات ہو گی اور یہ کہ حضرت کو بدعت سے کتنی بیزاری تھی۔ اس وجہ سے حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام لیواؤں میں جو بدعتی ہیں، ان کو تو کم از کم سمجھنا چاہیے، جو سمجھتے ہیں کہ ہم مجددی ہیں، اپنے نام کے ساتھ نقشبندی مجددی لکھتے ہیں اور بدعات میں مبتلا ہیں۔ کم از کم ان کو تو اس چیز کے بارے میں احساس ہونا چاہیے کہ وہ بدعات میں مبتلا نہ ہوں۔ اس کے بارے میں حضرت نے بڑی زبردست تشریحات فرمائی ہیں۔ حضرت نے ہر قسم کی بدعت سے بیزاری کا اظہار کیا، یعنی کوئی کسر نہیں چھوڑی تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ حضرت نے اس بدعت کے بارے میں نہیں فرمایا اس لئے میں یہ کر رہا ہوں۔

تعلیمات مجددیہ اعمال کے بارے میں۔ ہر قسم کی بدعت سے بیزاری:

مکتوب نمبر 186 میں حضرت اپنی اس بیزاری کا کھل کر اظہار فرماتے ہیں۔

متن:

(یہ فقیر) حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی بارگاہ میں نہایت تضرع و زاری التجا، مسکینی، عاجزی اور انکساری کے ساتھ پوشیدہ اور ظاہر طور پر دعا کرتا ہے کہ جو کچھ دین میں نئی نئی باتیں پیدا ہو گئی ہیں اور (لوگوں نے) ایجاد کر لی ہیں جو حضرت خیر البشر اور آپ صلی اللہ علیہ و سلم کے خلفائے راشدین علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کے زمانے میں نہ تھیں اگرچہ وہ چیز صبح روشن کے مانند ہو۔ اس ضعیف کو اس جماعت کے ساتھ جن کے لئے وہ (بدعات) مستند ہیں اس نئے کام کے کرنے میں گرفتار نہ کیجیو اور اس نئی چیز (بدعت) کی خوبی کا دیوانہ نہ بنائیو، بحرمۃ سید المختار و آلہ الابرار علیہ و علیہم الصلوۃ و السلام۔

تشریح:

دیکھئے! حضرت نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اور یہ دعا فرما رہے ہیں کہ یا اللہ جو بھی دین میں نئی بات شامل کرنے والے ہیں ان میں مجھے شامل نہ کرنا۔

متن:

بعض علماء کہتے ہیں کہ بدعت دو قسم کی ہے حسنہ اور سیئہ (یعنی نیک اور بد)۔ بدعت حسنہ اُس نیک عمل کو کہتے ہیں کہ جو آنحضور علیہ و علیہم الصلوات اتمہا و من التحیات اکملہا اور آپ کے خلفائے راشدین کے بعد ظاہر ہوا ہو اور رافع سنت نہ ہو (یعنی سنت کو دور کرنے والا نہ ہو)۔ اور بدعت سیئہ وہ ہے جو رافع سنت ہو (یعنی سنت کو دور کرنے والا ہو)۔ مگر یہ فقیر ان بدعتوں میں سے کسی بدعت میں حسن اور نورانیت مشاہدہ نہیں کرتا اور سوائے ظلمت و کدورت کے کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ اگر بالفرض کوئی نیا عمل (بدعت) آج اپنی ضعف بصارت کی وجہ سے تازہ اور خوش نما معلوم ہوتا ہے تو کل (یعنی روز قیامت) جب نظر تیز ہو جائے گی تو سوائے نقصان اور ندامت کے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ بیت:

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت
کہ با کہ باختہ عشق در شب دیجور

صبح محشر روز روشن کی طرح رات تیری سب عیاں ہو جائے گی۔

حضرت سید البشر علیہ و علی آلہ الصلوات و التسلیمات فرماتے ہیں: "مَنْ اَحْدَثَ فِي اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ"

ترجمہ: "یعنی جس نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی نئی بات نکالی جو اس میں نہیں ہے تو وہ قابل رد ہے) (یعنی مردود ہے)۔"

بھلا جو چیز کہ مردود ہو اس میں حُسن (بھلائی) کہاں سے آئے گی؟ اور آنحضرت علیہ الصلوۃ و السلام نے فرمایا: "اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ وَّشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ"

ترجمہ: "یعنی اس کے بعد واضح ہو کہ بہترین کلام، کلام اللہ ہے اور بہترین طریقہ و سیرت حضرت محمد ﷺ کا طریقہ و سیرت ہے اور سب سے بد ترین چیز (دین میں) نئی باتیں (بدعتیں) ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

نیز آنحضرت علیہ الصلوۃ و السلام نے فرمایا: "أُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَىٰ اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَ عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ"

ترجمہ: "یعنی میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور (اپنے حاکم کی بات) سنو اور اس کی تابعداری کرو اگرچہ تمھارا حاکم حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ عنقریب بہت اختلافات دیکھے گا پس تم میری اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو لازم پکڑو اور اس کو (ہاتھوں سے) بہت مضبوط تھامو اور دانتوں سے مضبوط پکڑو اور نئے پیدا شدہ امور سے بچو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی و ضلالت ہے۔"

تشریح:

اصل میں دین اوپر سے آیا ہے یہ کوئی نہیں بنا سکتا بلکہ اس کو اپنانا پڑتا ہے۔ اس وجہ سے اگر میں نے اپنے ذہن سے کوئی بات نکالی ہو کہ یہ اچھی بات ہے تو یہ میرے ذہن کی بات ہو گی، دین کی بات نہیں ہو سکتی۔ میں اپنے ذہن کو دین کی بات سمجھنے کے لئے استعمال کر سکتا ہوں لیکن دین میں کوئی بات نکالنے کے لئے نہیں البتہ میں دین کی بات پر آنے کے لئے ذریعہ کے طور پر کچھ سوچ سکتا ہوں۔ مثال کے طور پر میں آپ کے سامنے بیٹھا ہوں اور اس وقت لیپ ٹاپ سے درس دے رہا ہوں۔ آپ ﷺ اور صحابہ کے وقت میں لیپ ٹاپ نہیں تھا۔ اگر کوئی کہہ دے کہ یہ تو بدعت ہے، ہم کہیں گے کہ بدعت نہیں ہے۔ کیونکہ بدعت اسے کہتے ہیں کہ دین کی باتوں میں نئی بات نکالنا۔ میں جو پڑھ رہا ہوں اس میں جو لکھا ہوا ہے، میں وہ تبدیل نہیں کر سکتا۔ یعنی قرآن و حدیث کو میں تبدیل نہیں کر سکتا۔ لیکن قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لئے میں کوئی بھی ذریعہ استعمال کر سکتا ہوں۔ چاہے میں براہ راست کسی عالم سے

سنوں، چاہے اس کی کتاب میں پڑھوں، چاہے ٹیلی فون پر اس سے پوچھوں، چاہے ریڈیو پر اس کا درس سنوں، چاہے لیپ ٹاپ پر اس کے بارے میں پڑھوں، یہ بدعت نہیں ہے بلکہ یہ ذرائع ہیں، ذرائع پر پابندی نہیں ہے۔ آگے حضرت اس بات کو صاف کر رہے ہیں۔ دین کے اندر کوئی نئ بات نکالنے پر پابندی ہے۔ اگر نکالتے ہیں تو وہ دین نہیں ہو گا وہ آپ کا خیال اور آپ کی اپنی بات ہو گی۔

متن:

لہذا جب دین میں ہر نئ چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی و ضلالت ہے تو پھر بدعت میں حُسن (بھلائی) تلاش کرنے کے کیا معنی؟ نیز احادیث شریفہ سے جو کچھ مفہوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر بدعت سنت کی رافع ہے۔

تشریح:

مثال کے طور پر کوئی بات جو سنت کے ذریعہ سے کی جاسکتی ہے۔ مثلاً نماز میں ہم ثنا پڑھتے ہیں، یہ سنت ہے۔ اگر میں اپنی طرف سے کوئی ثنا ایجاد کر لوں تو وہ سنت کو اٹھانے والی ہو گی۔ گویا کہ دین میں جو بھی بدعت ہو گی، اپنی حیثیت کے مطابق سنت سے محروم کرے گی۔ یعنی ایک وقت میں آپ کو سنت ایک حکم دے رہی ہے، اسی وقت اس جگہ پر آپ کوئی اور چیز ڈال رہے ہیں، بدعت اختیار کر رہے ہیں اور اس کے بارے میں یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ دین ہے تو اس حصۂ دین سے آپ محروم ہو گئے۔

متن:

بعض کی کوئی تخصیص نہیں (یعنی یہ بدعت حسنہ ہے اور یہ سیئہ) لہذا ہر بدعت سیئہ ہے۔ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ و السلام نے فرمایا: **"مَا اَحۡدَثَ قَوۡمٌ بِدۡعَةً اِلَّا رُفِعَ مِثۡلُهَا مِنَ السُّنَّةِ فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيۡرٌ مِّنۡ اِحۡدَاثِ بِدۡعَةٍ"**

ترجمہ: "جب کوئی قوم بدعت جاری کرتی ہے تو اس سے اس جیسی ایک سنت اٹھا لی جاتی ہے پس سنت کو مضبوط پکڑنا بدعت کے جاری کرنے سے بہتر ہے۔"

اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "**مَا ابْتَدَعَ قَوْمٌ بِدْعَةً فِي دِيْنِهِمْ إِلَّا نَزَعَ اللهُ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِثْلَهَا ثُمَّ لَا يُعِيْدُهَا إِلَيْهِمْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ**"

ترجمہ: "یعنی کوئی قوم اپنے دین میں بدعت جاری نہیں کرتی مگر اللہ تعالیٰ اسی جیسی ایک سنت ان میں سے اٹھا لیتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس سنت کو قیامت تک ان کی طرف نہیں لوٹاتا۔"

تشریح:

لہذا بدعت کو کہیں بھی رائج نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ جب قیامت تک وہ چیز ہوتی رہے گی تو اس کا ذمہ دار وہی شخص ہو گا جس نے اس کو شروع کیا تھا۔ لہٰذا بدعتوں کے فروغ سے بہت زیادہ بچنا چاہیے۔ شیطان اس میں پیش پیش رہتا ہے، اس پر اکساتا ہے کہ کیا فرق پڑتا ہے؟ عوام زیادہ تر ان چیزوں میں مبتلا ہوتی ہے، ان کے مولوی حضرات جانتے ہیں کہ یہ بدعت ہے۔ لیکن اس سے انہوں نے دنیا حاصل کرنی ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان کی بات کے ساتھ چل پڑتے ہیں۔ کوئی عالم جو یہ نہیں جانتا کہ یہ بدعت ہے، میرے خیال میں جاہل ہی ہو سکتا ہے عالم نہیں ہو سکتا۔ وہ بس دنیا کے لئے ان کے ساتھ چمٹا ہوتا ہے۔ جیسے جو علماء حکمرانوں کے سامنے خوشامد کرتے ہیں۔ اس لئے پرانے زمانے میں کسی عالم کا کسی حکمران کا درباری ہونا، اس کے لئے گالی کی طرح ہوتا تھا۔ اگر کسی کو کہہ دیں او درباری! تو یہ گالی سمجھی جاتی تھی۔ لوگ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ آج کل خوانین اور چودھریوں نے اپنی طرف سے دین بنایا ہوتا ہے۔ اس دین کے لئے وہ کوئی راستہ اور کوئی دلیل نکال لیتے ہیں۔

ایک نواب تھا۔ نوابوں کے ہاں بڑے نخرے ہوتے تھے۔ اس نے ایک آدمی کو اس ڈیوٹی پہ رکھا تھا کہ میری زبان سے اگر کوئی غلط بات نکلے تو اس کے لئے فوراً آپ نے تاویل بنانی ہے۔ وہ آدمی اس میں بڑا ماہر تھا۔ ایک دفعہ نواب صاحب بڑھک مار رہے تھے۔ کہتے ہیں: میں نے جو شست باندھا تو گولی ہرن کے سُم (پاوں) کو چیرتی ہوئی

اس کے ماتھے میں گھس گئی۔ لوگ حیران ہو گئے کہ سُم (پاؤں) کہاں ہوتا ہے اور ماتھا کدھر ہوتا ہے! اس کی تو کوئی تک نہیں بنتی۔ اس آدمی نے فوراً کہا: وہ اس وقت اپنا ماتھا کھجلا رہا تھا۔ یعنی ظاہر ہے سُم (پاؤں) کے ساتھ ہی کھجلا رہا ہو گا۔ اسی وقت گولی اس کو لگی اور سُم (پاؤں) کو چیرتی ہوئی ماتھے میں گھس گئی۔ چنانچہ اس قسم کے جو لوگ ہوتے ہیں وہ اس فن کے طاق (ماہر) ہوتے ہیں۔

اللہ پاک ہماری حفاظت فرمائے۔ منسٹریوں میں یہ چیز ہوتی ہے، یعنی وہاں بیٹھ کر آدمی حیران ہو جاتا ہے۔ بڑی مشکل زندگی ہوتی ہے، ان کو اس کے لئے کوئی نہ کوئی دلیل بنانی ہوتی ہے۔ ان کو ذمہ داری دی جاتی ہے کہ بھئی اس کے لئے کوئی دلیل بناؤ، بس پھر وہ دلیل بناتے ہیں۔ تو آدمی کا بچنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔

متن:

جاننا چاہیے کہ بعض بدعتیں جن کو علماء و مشائخ نے اچھا (حسنہ) سمجھا ہے جب ان کو اچھی طرح ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ سنت کی رافع ہیں۔ مثلاً میت کے کفن میں عمامہ کو بدعت حسنہ کہتے ہیں حالانکہ یہی بدعت رفع سنت ہے کیونکہ عدد مسنون یعنی تین کپڑوں پر زیادتی نسخ ہے اور نسخ عین رفع ہے۔ اور اسی طرح مشائخ نے شملہ دستار کو بائیں طرف چھوڑنا پسند کیا ہے حالانکہ شملہ کو دونوں کاندھوں کے درمیان چھوڑنا سنت ہے ظاہر ہے یہ بدعت رافع سنت ہے۔ اور ایسے ہی وہ امر ہے جو علماء نے نماز کی نیت میں مستحسن جانا ہے باوجود دل کے ارادہ کے زبان سے بھی (نماز کی) نیت کہنی چاہیے۔ حالانکہ آنحضرت علیہ و علی آلہ الصلوۃ والسلام التحیۃ سے کسی صحیح حدیث یا ضعیف روایت سے ثابت نہیں ہوا اور نہ ہی اصحاب کرام و تابعین عظام سے کہ انھوں نے زبان سے نیت کی ہو بلکہ جب اقامت ہوتی تھی تو وہ ساتھ ہی تکبیر تحریمہ کہتے تھے لہٰذا زبان سے نیت کرنا بدعت ہے اور اس بدعت کو حسنہ کہا ہے۔ اور یہ فقیر جانتا ہے کہ رفع سنت تو بجائے خود رہا، یہ تو فرض کو بھی رفع کرتی ہے کیونکہ اس تجویز میں اکثر لوگ زبانی نیت پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور دل کی غفلت پر کچھ نہیں ڈرتے کہ اس ضمن میں نماز کے فرضوں میں سے ایک فرض جو کہ نیت قلبی ہے، متروک ہو جاتا

ہے اور نماز کے فاسد ہونے تک پہنچا دیتا ہے۔

تشریح:

اس مسئلہ میں چونکہ دوسری طرف بھی آراء موجود ہیں اور علمائے کرام کے دلائل بھی موجود ہیں، حضرت بھی ایک عالم تھے اور ان کی اپنی ایک رائے ہے، یقیناً وہ رائے بڑی محترم ہے۔ لیکن دوسرے علمائے کرام و فقہائے کرام کی رائے بھی محترم ہے۔ اگرچہ میں خود کبھی بھی زبان سے نیت نہیں کرتا۔ الحمد للہ میں حضرت کے مسلک پہ ہی چلتا ہوں، یاد نہیں ہے کہ کبھی میں نے زبان سے نیت کی ہو۔ لیکن جو زبان سے نیت کرتے ہیں، ان کو غلط نہیں کہتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ عوام نیت کو حاضر کرنا نہیں جانتے، تو کم از کم الفاظ کے ذریعہ وہ نیت حاضر کر لیں۔ یہ الگ بات ہے کہ جو کوئی نیت کو لمبا چوڑا کرتا ہے، اس کی اصلاح ہونی چاہیے۔ بالخصوص جنازے کی نیت لمبی چوڑی نہیں ہوتی۔ جو باتیں پہلے سے معلوم ہیں ان کے کہنے کی ضرورت نہیں، مثلاً پیچھے اس امام کے، کیا اس وقت کسی اور کے پیچھے بھی ہو سکتا ہے؟ اس امام کے پیچھے ہی ہو گا۔ اور قبلہ رخ کہنے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ قبلے کے علاوہ کسی اور طرف رخ نہیں ہوتا۔

جنازے میں سب سے اہم چیز یہ دیکھنا ہے کہ بچے کا جنازہ ہے یا بڑے کا؟ اگر بچہ ہے تو لڑکا ہے یا لڑکی ہے؟ بس یہی فرق ہے جنازے کی نیت میں۔ باقی ساری باتیں پہلے سے واضح ہیں۔ آپ اس امام کے پیچھے نماز پڑ رہے ہیں۔ ثواب مردے کے لئے ہوتا ہے، اور آپ سنت طریقے پہ چل رہے ہیں اور اللہ پاک کے لئے نماز پڑھ رہے ہیں۔ اس میں کوئی نئی بات نہیں۔ میرے خیال میں کچھ زیادہ ہی تفصیلی بتا دیتے ہیں۔ بہر حال یہ مجبوری اور معذوری کی وجہ سے ہے۔ عذر میں مسئلہ کچھ تبدیل ہو جاتا ہے اور کچھ گنجائش نکل آتی ہے۔ میرے خیال میں علمائے حق الفاظ سے نیت نہیں کہتے۔ کیونکہ ان کو مسئلے کا پتہ ہے کہ اصل نیت تو دل کی ہے۔ لیکن عوام کو یہ اس لئے سکھایا جاتا ہے کہ وہ اس چیز کو نہیں کر سکتے۔ یعنی ان کا استحضار نہیں ہوتا اور نیت کا استحضار لازمی ہے۔ نیت کو حاضر کرنے کے لئے ان کو الفاظ بتائے گئے ہیں۔

البتہ بعض علمائے کرام جو فرماتے ہیں کہ اس پر عمل ہو جائے تو پھر عوام کے لئے بھی زبان سے نیت نہ کرنے کی گنجائش نکل آئے۔ وہ یہ ہے کہ عرف میں نیت یہ ہے کہ اگر وہ نماز پڑھ لے اور اس کے بعد کوئی اس سے پوچھے کہ آپ نے کون سی نماز پڑھی؟ اگر اس نے کہا: مغرب کی اور مغرب ہی پڑھ رہا تھا تو اس کی نیت ٹھیک تھی۔ یعنی پہلے سے اس کے دل میں یہ بات تھی تبھی اس نے فوراً جواب دیا کہ میں نے مغرب کی نماز پڑھی ہے۔ مثال کے طور پر کوئی آدمی سو کر اٹھا وہ عصر کے وقت اٹھا ہے اور سمجھ رہا تھا کہ یہ فجر کا وقت ہے، اس نے فجر کی نیت کی، عصر کی نہیں کی تو اس کی نماز نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس کو غلط فہمی ہے اور اس نے واقعتاً دل سے بھی نیت نہیں کی چنانچہ اس کی نماز نہیں ہوئی۔ لیکن اگر وہ آیا اور نماز میں شامل ہو گیا، بعد میں کسی نے پوچھا کہ کون سی نماز پڑھی ہے؟ اس نے کہا: میں نے عصر کی نماز پڑھی ہے۔ لہٰذا گنجائش کی حد تک اس پر یہ بات چلائی جا سکتی ہے اور حضرت کی بات پر عمل ہو سکتا ہے۔

متن:

یہی حال تمام مبتدعات و محدثات کا ہے کیونکہ وہ سنت پر زیادتی ہے خواہ کسی طرح کی ہو اور زیادتی نسخ ہے اور نسخ رفع (سنت) ہے۔ لہذا آپ پر لازم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی متابعت پر کمربستہ رہیں اور اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کی اقتدا پر کفایت کریں کیونکہ "**فَاِنَّهُمْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمُ اهْتَدَیْتُمْ**"

ترجمہ: "وہ ستاروں کے مانند ہیں جن کی اقتدا کرو گے ھدایت پاؤ گے۔"

لیکن قیاس اور اجتہاد کوئی بدعت نہیں کیونکہ وہ نصوص کو ظاہر کرتے ہیں کسی زائد امر کو ثابت نہیں کرتے۔ "**فَاعْتَبِرُوْا یَا اُوْلِی الْاَبْصَارِ**" "پس داناؤں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے" اور اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کے راستہ پر چلے اور **حضرت محمد مصطفی علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات** کی متابعت کو لازم پکڑے۔

تشریح:

بدعت چونکہ دین میں اضافے کو کہتے ہیں جبکہ بعض چیزیں عبادت کے طور پر نہیں کی جاتیں بلکہ عادت کے طور پر ہوتی ہیں۔ اس فرق کو ظاہر کرنے کے لئے مکتوب نمبر 231 میں ارشاد فرماتے ہیں۔

حضرت سے پوچھا گیا کہ ذکر بالجہر بھی بدعت ہے؟ فرمایا کہ:

متن:

میرے مخدوم! آنحضرت علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام کا عمل دو قسم کا ہے: ایک عبادت کے طریقہ پر ہے اور دوسرا عرف و عادت کے طور پر، وہ عمل جو عبادت کے طریقے پر ہے اس کے خلاف کرنا بدعتِ منکرہ جانتا ہوں اور اس کے منع کرنے میں مبالغہ کرتا ہوں کہ یہ دین میں نئی نئی باتیں پیدا کرنا ہے اور وہ مردود ہے۔ اور وہ عمل جو عرف و عادت کے طور پر ہے اس کے خلاف کرنا بدعت منکرہ نہیں جانتا اور اس کے منع کرنے میں مبالغہ نہیں کرتا کیونکہ اس کا تعلق دین سے نہیں اور اس کا ہونا نہ ہونا عرف و عادت پر موقوف ہے نہ کہ دین و ملت پر جس طرح کہ بعض شہروں کا عرف دوسرے شہرں کے عرف کے خلاف ہے، اسی طرح ایک شہر میں زمانے کے تفاوت کے اعتبار کی وجہ سے عرف میں تفاوت ظاہر ہے۔ البتہ عادی سنت کی رعایت بھی بہت سے فائدوں اور سعادتوں کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو حضرت **سید المرسلین علیہ و علیہم وعلیٰ تابعی کل من الصلوات افضلھا و من التسلیمات اکملھا** کی متابعت پر ثابت قدم رکھے۔

تشریح:

یہ بات بتائی کہ اصل میں نقشبندی حضرات کے ہاں ذکر بالجہر نہیں تھا۔ کسی بزرگ نے اگر اس کو بدعت کہا ہے تو انہوں نے اپنے طریقے کی بدعت کہا ہے۔ گویا کہ ہمارے طریقہ میں کوئی نئی چیز لا رہے ہیں، یہ نہیں کہ وہ شرعی بدعت ہے۔ شرعی بدعت دین کے اندر کوئی نئی بات لانے کو کہتے ہیں۔ یہ دین نہیں ہے بلکہ دین پر آنے

کا طریقہ اور ذریعہ ہے۔ آپ مراقبہ کرتے ہیں اس کا انداز بھی ثابت نہیں ہے، لطائف بھی ثابت نہیں ہیں۔ لطیفہ روح، لطیفہ سر، لطیفہ خفی۔ اس کو بدعت نہیں کہیں گے، کیونکہ یہ دین نہیں ہیں، بلکہ دین پر آنے کے لئے اسباب اور ذرائع ہیں۔ اس طرح ذکر بالجہر بھی بدعت نہیں ہے کیونکہ یہ ایک ذریعہ ہے۔ آپ ایک ذریعے سے کام لیتے ہیں، وہ دوسرے ذریعے سے کام لیتے ہیں۔ جیسے بعض لوگ جی ٹی روڈ سے جاتے ہیں اور دوسرے موٹر وے سے جاتے ہیں اور دونوں لاہور پہنچ جاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ذریعہ تبدیل ہو سکتا ہے لیکن دین تبدیل نہیں ہو سکتا۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی امر میں سنت اور بدعت دونوں کا احتمال ہو تو کیا کرنا چاہیے؟ اس کے لئے مکتوب نمبر 313 میں ارشاد فرماتے ہیں۔

متن:

عقلمندوں کے نزدیک یہ بات مقرر ہے کہ نقصان کے احتمال کی وجہ سے بہت زیادہ منافع کو چھوڑ سکتے ہیں۔ اسی مقولہ کے قریب قریب وہ امر ہے جو علماء **شَکَرَاللّٰہُ تَعَالٰی سَعْیُھُم** نے فرمایا ہے کہ "اگر کوئی امر سنت اور بدعت کے درمیان دائر ہو تو اس سنت کے بجالانے کی نسبت ترکِ بدعت بہتر ہے" یعنی بدعت میں نقصان کا احتمال اور سنت میں منافع کی توقع ہے تو ضرر کے احتمال کو منافع کی توقع پر ترجیح دے کر بدعت کو ترک کر دینا چاہیے تاکہ ایسا نہ ہو کہ سنت کے بجا لانے میں دوسری راہ سے نقصان پیدا ہو جائے۔ اس بات کی حقیقت یہ ہے کہ وہ سنت گویا کہ اس (آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے) زمانے کے ساتھ ملی ہوئی ہے چونکہ ایک جماعت اس کی باریکی اور پوشیدگی کی وجہ معلوم نہ کر سکی اس لئے اس کی تقلید کرنے میں سبقت کی، اور دوسری جماعت نے اس کو موقت (آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے زمانے کے ساتھ مخصوص) جان کر اس کی تقلید اختیار نہیں کی۔ **وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ**۔

تشریح:

گویا کہ اگر کوئی ایسی بات ہو جس میں علم نہ ہونے کی وجہ سے سنت کا بھی احتمال

ہو اور بدعت کا بھی احتمال ہو تو ایسی صورت میں اگر وہ کوئی ایسا امر نہیں ہے جس کا حکم ہے تو پھر چھوڑ دینا چاہیے۔ کیونکہ خواہ مخواہ اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنے والی بات ہے۔ مثال کے طور پر جب کسی راستے سے جانا ضروری نہیں تو پھر اس پہ جا کر کیوں Risk (خطرہ) لیا جائے، اگر اس راستے پہ شیر کھڑا ہو تو جان کو خطرہ ہو سکتا ہے۔ اسی طریقہ سے مجھے اپنے آپ کو بچانا چاہیے کہ میں کسی نقصان میں نہ پڑوں۔ یہ فقہ کا مشہور قاعدہ ہے کہ جلب منفعت سے دفعِ مضرت زیادہ ضروری ہے۔

بدعتی کی صحبت سے بچنے کے لئے دفتر اول مکتوب نمبر 54 میں ارشاد فرماتے ہیں۔

متن:

یقین جانئے کہ بدعتی کی صحبت کا فساد کافر کی صحبت کے فساد سے بھی زیادہ ہے اور تمام بدعتی فرقوں میں سب سے بُرا وہ فرقہ ہے جو پیغمبر علیہ الصلوۃ و السلام کے اصحابؓ کے ساتھ بُغض رکھتا ہے۔

تشریح:

واللہ اعلم! لیکن آپ یہ بات سن کر حیران ہوں گے، میں اپنے طور پہ دعوی نہیں کر سکتا لیکن بہت سارے لوگ کہتے ہیں اور میرا بھی تجربہ ہے کہ صحابہ کرام کے دشمنوں سے جو بو آتی ہے وہ بعض اوقات کافروں سے بھی نہیں آتی۔ یہ کوئی خاص بات ہے، اس پہ آدمی کچھ کہہ نہیں سکتا، لیکن بہرحال ہے۔ حضرت نے یہاں ارشاد فرمایا ہے کہ بدعتی کی صحبت کا فساد، کافر کی صحبت کے فساد سے بھی زیادہ ہے۔ گویا کہ اللہ تعالی ہمیں اس کی صحبت سے بچانا چاہتا ہے۔

متن:

اور تمام بدعتی فرقوں میں سب سے بُرا وہ فرقہ ہے جو پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے اصحابؓ کے ساتھ بُغض رکھتا ہے، اللہ تعالی خود قرآن مجید میں ان کو کفار کے نام سے موسوم فرماتا ہے: ﴿لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ (الفتح: 29)

ترجمہ: "تاکہ اللہ ان (کی اس ترقی) سے کافروں کا دل جلائے۔"

قرآن مجید اور شریعت کی تبلیغ اصحابِ (کرام) ہی نے کی ہے، جب ان پر طعن کیا جائے گا تو قرآن و شریعت پر طعن لازم آئے گا۔ قرآن مجید کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے جمع کیا ہے، اگر حضرت عثمان ؓ مطعون ہوں گے تو قرآن مجید بھی مطعون ہو گا۔ "اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَمَّا يَعْتَقِدُ الزَّنَادِقَةُ" "اللہ تعالی ہمیں ان زندیقوں کے اعتقادات سے بچائے۔"

تشریح:

حضرت کو بہت سارے میدانوں میں کام کرنا پڑا۔ اس وقت جو علمائے سوء تھے، ابو الفضل اور فیضی جیسے لوگ، انہوں نے بہت فساد اور بہت نقصان پھیلایا ہوا تھا۔

علمائے سوء کی مذمت

مکتوب نمبر 33 دفتر اول میں اس کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

متن:

علماء کے لئے دنیا کی محبت اور اس میں رغبت کرنا ان کے جمال کے چہرہ کا بد نما داغ ہے۔ مخلوقات کو اگرچہ ان سے بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں لیکن ان کا علم ان کے اپنے حق میں نفع بخش نہیں ہوا اگرچہ شریعت کی تائید اور ملت کی تقویت انہی کی وجہ سے قائم ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دین کی یہ تائید و تقویت فاجر و فاسق لوگوں سے بھی واقع ہو جاتی ہے جیسا کہ سید الانبیاء علیہ و علیہم و علی آلہ الصلوات والتسلیمات نے اس فاجر شخص کی دینی تائید کے بارے میں خبر دی ہے اور فرمایا ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ لَيُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ"

ترجمہ: "البتہ اللہ تعالیٰ ضرور اس دین یعنی اسلام کو ایک فاجر آدمی کے ذریعہ سے بھی مدد دے گا۔"

یہ (علماء سوء) پارس پتھر کی مانند ہیں کہ تانبے اور لوہے کی جو چیز بھی اس کے ساتھ رگڑ کھاتی ہے سونا ہو جاتی ہے اور وہ خود اپنی ذات میں پتھر ہی رہتا ہے۔

اور اسی طرح وہ آگ جو پتھر اور بانس میں پوشیدہ موجود ہے، دنیا کو اس آگ سے بہت سے فائدے حاصل ہیں لیکن وہ پتھر اور بانس اپنے اندر کی موجودہ آگ سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کرتے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ علم ان (علمائے سوء) کی اپنی ذات میں مضر ہے کیونکہ اس علم نے حجت کو اس پر پورا کر دیا "**اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ عَالِمٌ لَّمْ يَنْفَعْهُ اللهُ بِعِلْمِهٖ**"

ترجمہ: "بیشک قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ عذاب کا مستحق وہ عالم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے علم سے کچھ نفع نہیں دیا۔"

وہ علم جو اللہ تعالیٰ جل شانہ کے نزدیک معزز ہے اور موجودات میں اشرف ہے وہ ان کے لئے مضر کیوں نہ ہو جبکہ انھوں نے اس علم کو کمینی دنیا یعنی مال و جاہ و ریاست کے حاصل کرنے کا وسیلہ بنا لیا ہے حالانکہ دنیا حق تعالیٰ کے نزدیک ذلیل و خوار اور مخلوقات میں سب سے بدتر ہے۔ پس خدائے تعالیٰ کی عزت دی ہوئی چیز کو ذلیل کرنا اور اللہ تعالیٰ کی ذلیل کی ہوئی چیز کو عزت دینا نہایت برا ہے، اور حقیقت میں حق سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے۔ اور تعلیم دینا اور فتوے لکھنا اس وقت فائدہ دیتا ہے جبکہ خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہو اور جاہ و ریاست کی محبت اور مال و مرتبہ کے حاصل کرنے کی آمیزش سے پاک و خالی ہو اور اس کی علامت دنیا میں زہد و پرہیز گاری اختیار کرنا اور دنیا و مافیہا سے بے رغبت رہنا ہے۔ جو علماء اس بلا میں مبتلا اور اس کمینی دنیا کی محبت میں گرفتار ہیں وہ علمائے دنیا میں سے ہیں،یہی لوگ علمائے سوء اور لوگوں میں سب سے برے اور دین کے چور ہیں حالانکہ یہ لوگ اپنے آپ کو دین کا پیشوا جانتے ہیں اور اپنے آپ کو مخلوقات میں سب سے بہتر خیال کرتے ہیں۔

﴿**وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ. اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللهِ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ**﴾ (المجادلہ: 19-18)

ترجمہ: "اور یہ سمجھیں گے کہ انہیں کوئی سہارا مل گیا ہے۔ یاد رکھو یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں۔ ان پر شیطان نے پوری طرح قبضہ جما کر انہیں اللہ کی یاد سے غافل کر

دیا ہے۔ یہ شیطان کا گروہ ہے۔ یاد رکھو شیطان کا گروہ ہی نا مراد ہونے والا ہے۔"

اکابرین میں سے ایک بزرگ نے شیطان ملعون کو دیکھا کہ فارغ (بیکار) بیٹھا ہے اور گمراہ کرنے اور بہکانے سے بے فکر ہو چکا ہے۔ اس بزرگ نے اس سے اس فراغت کی وجہ دریافت کی۔ اس نے جواب دیا کہ اس زمانے کے برے علماء نے خود ہی اس کام میں میری بہت بڑی مدد کی ہے اور انھوں نے مجھے اس اہم کام سے فارغ کر دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے میں شرع کے کاموں میں جو سستی اور سہل پسندی و نفاق پیدا ہو گیا ہے اور دین و ملت کے رواج دینے میں جو خلل و سستی ظاہر ہوئی ہے وہ سب برے علماء کی نحوست اور ان کی نیتوں کے خراب ہو جانے کے باعث ہے۔ ہاں وہ علماء جو دنیا سے بے رغبت ہیں اور جاہ (عزت) و مال اور بلندی (سرداری) کی محبت سے آزاد ہیں وہ علمائے آخرت میں سے ہیں اور انبیائے عظام علیہم الصلوۃ و السلام کے وارث ہیں، اور مخلوقات میں سے بہتر یہی علماء ہیں کہ کل قیامت کے دن ان کی سیاہی کو اللہ کے راستے میں شہید ہونے والوں کے خون کے ساتھ وزن کریں گے اور اس سیاہی کا پلہ بھاری رہے گا۔ اور **"نَوْمُ الْعُلَمَاءِ عِبَادَةٌ"**

ترجمہ: "علماء کی نیند بھی عبادت ہے۔"

ان ہی کے حق میں ثابت ہے۔یہی وہ حضرات ہیں جن کی نظروں کو آخرت کا جمال پسند آیا ہے اور دنیا کی برائی اور اس کی خرابی ان کو ظاہر ہو چکی ہے۔ انھوں نے اس (آخرت) کو بقا کی نظر سے دیکھا اور اس (دنیا) کو زوال کے داغ سے داغدار پایا۔ اسی لئے اپنے آپ کو باقی کے سپرد کر دیا اور فانی سے اپنے آپ کو باز رکھا۔ آخرت کی عظمت کا مشاہدہ حق تعالیٰ کی عظمت کے مشاہدہ کا ثمرہ ہے اور دنیا و ما فیہا کو ذلیل رکھنا آخرت کی عظمت کے مشاہدہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ **"لِاَنَّ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ضَرَّتَانِ اِنْ رَضِيَتْ اِحْدٰهُمَا سَخِطَتِ الْاُخْرٰى"**

ترجمہ: "کیونکہ دنیا اور آخرت دونوں سوکنیں ہیں (یعنی دو عورتیں ایک مرد کے نکاح میں ہونے کی مانند ہیں) اگر ان میں سے ایک راضی ہو گی تو دوسری ناراض ہو جائیگی۔"

اگر (کسی شخص کو) دنیا عزیز ہے تو آخرت ذلیل ہے اور اگر دنیا ذلیل ہے تو آخرت عزیز ہے ان دونوں کا جمع ہونا دو ضدوں کے جمع ہونے کی قسم سے ہے، ع

مَا اَحْسَنَ الدِّیْنَ وَالدُّنْیَا لَوِ اجْتَمَعَا

کیا ہی اچھا ہے کہ ہوں دین اور دنیا جمع

ہاں بعض مشائخ نے جو کہ اپنی خواہش اور ارادے سے پوری طرح نکل چکے ہیں بعض نیک و درست نیتوں کے ساتھ اہل دنیا کی صورت اختیار کی ہے اور بظاہر دنیا میں رغبت کرنے والے معلوم ہوتے ہیں وہ حقیقت میں (دنیا سے) کوئی تعلق نہیں رکھتے اور سب سے فارغ و آزاد ہیں۔ ﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ (النور:38)

ترجمہ: "جنہیں کوئی تجارت یا کوئی خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی ہے۔"

تشریح:

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ایک دفعہ میں نے مکہ مکرمہ میں دیکھا کہ ایک صاحب نے تھوڑی سی دیر میں بہت سے دینار کا سودا کیا۔ لیکن میں نے جب ان کے دل کی طرف دیکھا تو وہ اللہ تعالی کے ساتھ لگا ہوا تھا، دنیا کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ اسی طرح کسی شخص کے بارے میں کہا کہ وہ خانہ کعبہ کے غلاف کو پکڑ کر مسلسل رو رہا تھا۔ جب اس کے دل کی طرف دیکھا تو وہاں دنیا ہی دنیا تھی۔ اللہ تعالیٰ دلوں کو دیکھتا ہے۔یہاں پر بھی بعض لوگ بظاہر دنیا دار ہوتے ہیں۔ جیسے ہمارے نواب قیصر صاحب رحمۃ اللہ تعالی ما شاء اللہ نواب خاندان کے بھی نواب تھے اور ویسے بھی نواب تھے، بہت مال دار تھے۔ ان کا اسلام آباد میں بہت بڑا ڈیپارٹمنٹل سٹور تھا۔ ہم کبھی کبھی حضرت کے پاس جایا کرتے تھے، حضرت کے ہاں بیٹھ کر پتا نہیں چلتا کہ حضرت ایسے ہیں۔ ایک دفعہ حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تھے، ان کے ہاں بھی نواب صاحب تشریف لائے تھے۔ اس وقت حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ بھئی نواب صاحب کی مرسڈیز کو نہ دیکھو۔ جس وقت برف پانی بن جاتا ہے تو پھر

وہ برف کے حکم میں نہیں رہتا۔ برف جب پانی بن جائے تو پھر اس کو برف نہیں کہتے پھر اس کو پانی کہتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ جب ان کی ہیئت تبدیل ہو جائے، یعنی دل اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے تو پھر دنیا دار نہیں ہیں۔

متن:

اور تجارت و بیع ان کو ذکر خدا سے نہیں روکتی اور ان امور کے ساتھ عین تعلق کی حالت میں ان امور سے بالکل بے تعلق ہیں۔ (اللہ ہمیں ایسا ہی کر دے) حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ العزیز نے فرمایا ہے کہ میں نے منٰی کے بازار میں ایک تاجر کو دیکھا کہ اس نے کم و بیش پچاس ہزار دینار کی خرید و فروخت کی اور اس کا دل ایک لمحہ بھی حق سبحانہ وتعالیٰ سے غافل نہیں ہوا۔

اہل اقتدار کو خیر کی طرف متوجہ کرنے اور اہل شر سے دور کرنے کی ضرورت کے بارے میں مکتوب 47 دفتر اول میں ارشاد فرماتے ہیں۔

متن:

آج جب کہ دولت اسلام کی رکاوٹوں کے زوال کی خوشخبری اور بادشاہ اسلام کی تخت نشینی کی بشارت خاص و عام کے کانوں تک پہنچی ہے تو اہل اسلام نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ وہ بادشاہ کے معاون و مدد گار ہوں۔

تشریح:

اس وقت یہ نہیں دیکھنا ہے کہ یہ تو بادشاہ ہے ہم اس کے قریب نہیں جائیں گے۔ بادشاہ کو کچھ دینے کے لئے جانا چاہیے، بادشاہ سے کچھ لینے کے لئے نہیں جانا چاہیے۔ بادشاہ کو دِین دینے کے لئے جانا چاہیے۔ پھر فائدہ ہے۔

متن:

اور شریعت کے رواج دینے اور مذہب کو قوت پہنچانے میں اس کی رہنمائی کریں خواہ یہ امداد دینا اور قوت پہنچانا زبان سے ہو سکے یا ہاتھوں سے میسر ہو۔ سب سے بڑھ

کر امداد یہ ہے کہ کتاب و سنت اور اجماع امت کے مطابق مسائل شرعیہ کو بیان کیا جائے اور کلامیہ عقائد کو ظاہر کیا جائے۔

تشریح:

کیونکہ اس وقت کلامیہ عقائد کا مسئلہ تھا۔

متن:

تاکہ کوئی بدعتی اور گمراہ شخص درمیان میں آکر راستے سے نہ ہٹا دے، اور کام خراب نہ کر دے۔

تشریح:

کیونکہ اس وقت وہاں یہی لوگ تھے جو فساد ڈال رہے تھے۔

متن:

اس قسم کی امداد علمائے حقانی کے ساتھ مخصوص ہے جو کہ آخرت کی طرف توجہ رکھتے ہیں۔ دنیا دار علماء جن کا مقصد کمینی دنیا حاصل کرنا ہے ان کی صحبت زہرِ قاتل ہے اور ان کا فساد متعدی ہے (یعنی ایک سے دوسرے کو لگنے والا ہے)

عالم کہ کامرانی و تن پروری کند
او خویشتن گم است کرا رہبری کند

(عالِم جو کامرانی و تن پروری کرے
بھٹکا ہوا ہے آپ وہ کیا رہبری کرے)

علمائے سوء کی وجہ سے جو خرابی آتی ہے اس کے بارے میں مکتوب نمبر 47 دفتر اول میں ارشاد فرماتے ہیں۔

متن:

گزشتہ صدی میں جو بھی مصیبت اسلام اور اہل اسلام کے سر پر آئی وہ اسی جماعت کی بد بختی و بیباکی کی وجہ سے تھی یہی لوگ (علمائے سوء) بادشاہوں کو راہ راست سے بھٹکاتے تھے بہتّر (72) فرقے جنھوں نے گمراہی کا راستہ اختیار کیا ہے ان سب کے مقتدا و پیشوا یہی برے علماء ہوئے ہیں بہت کم لوگ ہیں جو علماء کے بغیر گمراہ ہوئے ہوں اور ان کی گمراہی کا اثر دوسرے لوگوں تک پہنچا ہو اور اس زمانے کے اکثر صوفی نما جاہل لوگ علماء سوء (برے علماء) کا حکم رکھتے ہیں ان کا فساد بھی متعدی ہے (یعنی اس کی برائی بھی دوسروں تک پہنچتی ہے) اور ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص امداد کی طاقت کے باوجود کسی قسم کی مدد میں کمی کرے اور اسلام کے کارخانے میں خلل واقع ہو جائے تو وہ امداد میں کوتاہی کرنے والا شخص معتوب (یعنی سزا کا مستحق) ہو گا۔ اسی لئے یہ کم سرمایہ حقیر فقیر بھی چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو دولت اسلام کے مدد گاروں کے گروہ میں داخل کرے اور اس بارے میں کوشش کرے "**مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ**"

ترجمہ: "جس نے کسی قوم کی جمعیت کو زیادہ کیا وہ انہی میں سے ہے۔"

کے موافق امید ہے کہ اس بے استطاعت کو بھی اس بزرگ جماعت (مدد گاران اسلام) میں داخل کر لیں۔

تشریح:

حضرت نے اپنے بارے میں گویا کہ بڑی کم مائیگی کے ساتھ فرمایا کہ بہت بڑا اونچا گروہ ہے جو دین اسلام پر چلنے والوں کی مدد گیری فرماتے ہیں، ان کی مدد کرتے ہیں۔ میرا بھی دل چاہتا ہے کہ میں بھی ان میں سے ہو جاؤں، اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے کر دے۔ (اللہ ہمیں بھی کر دے آمین)

بدعتی گروہ سے تنفر کا اظہار مکتوب نمبر 80 دفتر اول میں یوں فرماتے ہیں:

متن:

اگرچہ تہتر فرقوں میں سے ہر ایک فرقہ شریعت کی اتباع کا دعوٰی کرتا ہے اور اپنی نجات کا یقین رکھتا ہے (جیسا کہ آیت شریفہ) ﴿**كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ**﴾

(الروم: 32)

ترجمہ: "ہر گروہ اپنے اپنے طریقے پر مگن ہے۔"

ان کے حال کے مطابق لیکن پیغمبر صادق علیہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا نے ان متعدد فرقوں میں سے ایک "ناجیہ" (نجات پانے والا) فرقے کی تمیز کے لئے جو دلیل بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے: **"اَلَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ"** یعنی فرقہ ناجیہ وہ ہے جو اس طریق پر ہو جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں۔ صاحب شریعت علیہ الصلوۃ و التحیۃ کا ذکر (جس طریقے پر میں ہوں) کافی ہونے کے باوجود اس مقام پر اصحاب کرام کا ذکر اسی لئے ہو سکتا ہے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ "جو میرا طریقہ ہے وہی میرے اصحاب کا طریقہ ہے۔

تشریح:

واقعتاً جیسے حضرت نے فرمایا ویسا ہی ہے لیکن ایک بات اور بھی ہے کہ بعض باتوں کی تشریح صحابہ کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ جیسے آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی اپنی ایک حالت تھی اور اس کو وہ تبدیل نہیں فرما سکتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ و سلم مرد تھے، آپ صلی اللہ علیہ و سلم عورت نہیں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ و سلم شہری تھے، آپ صلی اللہ علیہ و سلم دیہاتی نہیں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ و سلم اونچے خاندان کے تھے، نیچے خاندان کے نہیں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ و سلم فصیح اللسان تھے، گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی تو بہت اونچی صفات تھیں۔ باقی لوگوں کے لئے یہ ایک عذر بن جاتا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی طرح ہیں ہی نہیں تو ہم کیسے عمل کریں؟ مثلاً عورتوں کے لئے کیا ذریعہ ہوتا؟ چنانچہ پھر آپ صلی اللہ علیہ و سلم کے لئے ایک پوری جماعت مبعوث فرمائی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے اس جماعت کی تربیت فرمائی۔ حدیث تین قسم کی ہے، قولی، فعلی اور تقریری۔ قولی، فعلی احادیث کم ہوں گی، جبکہ زیادہ تر تقریری ہیں۔ کیونکہ جو اعمال صحابہ کرام نے کئے، ان میں سے کسی کو کرنے دیا، کسی کو روک دیا۔ اب یہ احادیث شریفہ ساری کی ساری جمع ہو چکی ہیں، سارا دین ان چیزوں سے عبارت ہے۔ اس وجہ سے صحابہ کرام کی جماعت دین کی اشاعت کے لئے بنیاد کا

کام کرتی ہے۔ دین اس کے بغیر سمجھ میں نہیں آ سکتا، فرمایا: "مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ"

ترجمہ: "جس پر میں ہوں، جس پر میرے صحابہ ہیں۔"

کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے ایک بات فرمائی، اب صحابہ نے اس سے کیا مراد لیا، یہ ہمارے لئے دلیل ہے۔ میں اگر اس بات کی تشریح کر لوں تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے جب صحابی نے اس کی تشریح کی ہوتی ہے۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ ہاں ٹھیک ہے، فلاں صحابی نے اس کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا۔ اب دیکھو قرآن پاک میں جو کچھ بھی ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے اس کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایا ہو تو اب وہ چیز fix (طے شدہ) ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ قرآن پاک کی کوئی اور تشریح نہیں ہو سکے گی۔ پھر صرف وہی ہو گی جو آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمائی ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم کے اوپر قرآن پورا کھلا تھا۔ جب کہ ہم پر اجمالی طور پر کھلا ہوا ہے۔ لہٰذا ہم اس اجمال سے تفصیل میں تب جا سکتے ہیں جب آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی تشریح کو دیکھتے ہیں۔ اس لئے جیسے قرآن کے پہلے مفسر آپ صلی اللہ علیہ و سلم خود ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی تفسیر کے مقابلے میں کوئی اور تفسیر نہیں آ سکتی۔ اسی طریقہ سے آپ صلی اللہ علیہ و سلم کے قول کی تفسیر کو، آپ صلی اللہ علیہ و سلم کے فعل کی تشریح کو، آپ صلی اللہ علیہ و سلم کے احوال کے سمجھانے کی تشریح کو، صحابہ کرام کی جماعت سے ہی ہم اخذ کر سکتے ہیں۔ اگر کسی صحابی نے کسی بات کے بارے میں فرما دیا کہ یہی ہے اور کسی اور صحابی نے اس کا رد نہیں کیا تو بس پھر وہی ہے۔ اگر کسی اور صحابی نے کچھ فرمایا اور دوسرے نے کچھ اور فرمایا یعنی صحابہ میں اختلاف ہو گیا، جس کی وجہ سے مجتہدین نے ان کی بات میں غور کیا کہ کس کی بات کو لیں اور کس کی بات کو نہ لیں۔ پوری دلیل کے ساتھ یہ سب کام ہوتا ہے کہ میں کون سی بات لیتا ہوں اور کون سی نہیں لیتا اور کیوں لیتا ہوں اور کیوں نہیں لیتا؟ کیونکہ یہ دین کی بات ہے، اپنی طرف سے نہیں ہے، خود صرف سمجھنا ہوتا ہے۔ جیسے ایک صحابی مجتہد ہیں اور دوسرے صحابی اس حیثیت کے نہیں ہیں تو مجتہد صحابی کا قول لیا جائے گا۔ کیونکہ عام صحابہ بھی مجتہد صحابہ سے لیتے تھے۔ دوسری ناسخ و منسوخ والی

بات ہے کہ کوئی بات پہلے ہوئی ہے، کوئی بعد میں ہوئی ہے۔ بعد والی بات پہلی بات کی ناسخ ہوتی ہے۔ ان ساری باتوں کو مجتہد سامنے رکھتا ہے، اجتہاد کے ذریعے وہ معلوم کرتے ہیں کہ وہ کیا ہے؟

"فکر آگہی" ہماری ایک کتاب ہے جس میں ہم نے اپنے بزرگوں کی تحقیقات بیان کی ہیں، یعنی ہم کیسے بزرگوں کی تحقیقات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس میں اختلاف کے بارے میں بات کی گئی ہے۔ اگر اختلاف واقع ہو جائے تو اس میں فیصلہ کیسے کریں گے؟ یہ بہت بڑا topic ہے۔ سوال و جواب کی صورت میں ہے۔

اختلاف

مرے استاد بتا یہ کہ اختلاف کیا ہے؟
اس اختلاف میں طریقۂ انصاف کیا ہے؟
میں نے ارد گرد یہاں مختلف فرقے دیکھے
باہمی دست و گریبان اور لڑتے دیکھے
اس طرح توڑ کے امت میں سلسلے دیکھے
اس طرح کرتے جو ہیں ان کو صحیح کیسے کہوں؟
اور اگر ہے یہ غلط اس پہ میں چپ کیسے رہوں؟
کوئی شافعی ہے مالکی ہے یا پھر حنفی ہے
کوئی حنبلی ہے جعفری ہے یا پھر سلفی ہے
توڑنا امت کا ٹکڑیوں میں کام منفی ہے
ان میں کوئی بھی محمد ﷺ کا پیروکار نہیں
محمدی کہلوانے کو جو تیار نہیں
جس طرح ایک خدا ہے اور قرآن بھی ہے ایک
ایک کعبہ ہے اور رسول آخر زمان بھی ہے ایک

دیکھ لیں ہم ذرا آیا کہ مسلمان بھی ہے ایک؟

تفرقے کو تو کرتے خدا پسند نہیں
تو کیوں یہ سارا اختلاف بھی ہو بند نہیں؟

اس میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کے بڑے پرزور دلائل ہیں۔ اگر اس کا جواب نہ دیا جائے تو عام لوگ اس میں اٹھ جائیں گے۔ واقعی اٹھتے ہیں، ان چیزوں میں لوگ ایسے ایسے زبردست طریقے سے دلائل دیتے ہیں کہ اگر اہل حق کے دلائل ان کے سامنے نہ ہوں تو گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اس وجہ سے اس چیز کو سمجھانے کا پورا ایک شعبہ ہے کہ اہل حق کی بات کیسے سمجھ میں آجائے؟

استاد کا جواب

میرے بیٹے ترا جذبہ ہے یقیناً بہتر
لیکن اس میں کھلا نہیں ہے ابھی حق تجھ پر

جواب دینے کا انداز یہ ہے کہ پہلے آپ اس کے ساتھ ہو جائیں یہ "نعم" کا طریقہ ہے، یعنی پہلے انکار نہ کرو کہ تو غلط کہتا ہے۔کیونکہ اگر آپ نے "نہیں" کہہ دیا تو آپ نے اس کو اپنا مخالف بنا لیا۔ ﴿تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ (آل عمران: 64) قرآن نے بھی دلیل بتائی ہے کہ پہلے ان کو ملاؤ، اپنے ساتھ کر لو، پھر ان کو سمجھاؤ۔ یہ پہلا اصول ہے۔

میرے بیٹے ترا جذبہ ہے یقیناً بہتر
لیکن اس میں کھلا نہیں ہے ابھی حق تجھ پر
جوں کے مارنے کو جلاتا نہیں کوئی بستر

مخالفت اور اختلاف کا فرق جان لینا
اس میں جو حق ہو، سمجھتے ہوئے وہ مان لینا

وہ بھلائی ہی ہے جو دین کی فقاہت ہے

حدیث شریف سے ثابت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا

ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔

یہی ہے خیر، اسی میں عوام کو راحت ہے
سمجھ کی ان کو بغیر اس کی کہاں طاقت ہے

کوئی تو ان کے لئے سادہ طریقے ڈھونڈیں
عمل کے واسطے کچھ سادہ سے نسخے ڈھونڈیں

اب یہاں اس کو پہلی بات کیا بتائی؟ چیزیں بکھری ہوئی ہیں۔ قرآن میں ہیں، احادیث شریفہ میں ہیں، اقوال میں ہیں، ان سب کو جاننا سب کے لئے ممکن نہیں ہے اور پھر ان سے اخذ کرنا تو اور بھی زیادہ مشکل ہے۔ تو کوئی ہو جو ان سب کو جمع کر کے اس میں سے نسخے بنا لے۔ طریقہ کار بنا لے اور عام لوگ بھی اس پہ عمل کر سکیں۔ یہ بنیاد ہے۔

یہی تو فقہ ہے دین پر عمل کے نسخہ جات
سمجھ سکیں عوام کیسے صرف نصوص کی بات؟
جو مانے اس کو نہیں، دن کو کہے شاید رات

یہ نسخہ جات جو ہیں کیسے یہ ترتیب پائیں؟
تو اس کے واسطے مجتہد کی ضرورت جانیں

ہم کو ہے حکم صحابہؓ کی پیروی کرنا
جن پہ اجماع صحابہؓ ہو، تو وہی کرنا
دیکھو اس پہ نص مل گئی اور وہ یہ ہے **"مَا اَنَا عَلَيۡهِ وَ اَصۡحَابِیۡ"**
جب اختلاف ہو تو پھر اپنی تسلی کرنا
اگر ان میں اختلاف آ جائے، پھر اس میں اپنی تسلی کرنی پڑے گی۔

کہ کس کے پیچھے چلیں کس سے ہوں معذور عمل
بچیں ہم کیسے اس سے جو ہے اپنے نفس کا دجل

دو کام اس میں کرنے ہیں۔ پہلے یہ کہا ہے کہ ہم کس کی مانیں اور کس کی نہ مانیں؟ دوسری بات اپنے نفس کے شر سے بچیں نفس کی نہ مانیں۔

کیا ہم یہ بوجھ اپنے ناتواں کندھوں پہ رکھیں
یا جو ہے دور فتن، اس کے استادوں پہ رکھیں
یا پھر قرون اولیٰ کے ہم اماموں پہ رکھیں
جو تھے فقیہ، متقی شب بیدار بھی تھے
دَورِ قربت میں حقیقت سے خبر دار بھی تھے

ان کی دو صفات ایسی ہیں، جو ہم میں نہیں ہیں۔ ایک وہ قریب تھے، لہٰذا زمانے کے لحاظ سے deviation (فرق) کم آئی تھی۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان کے دل روشن تھے، یعنی کہ شب بیدار تھے، ذکر اذکار کرنے والے تھے، اللہ سے ڈرنے والے تھے۔ اس لحاظ سے ان کے دل پہ جو بات آتی تھی، وہ ہمارے دلوں پہ نہیں آ سکتی۔

حنفی شافعی اور مالکی محمدی ہی ہیں
ابن حنبل کے حنبلی محمدی ہی ہیں
سارے تقلید کے داعی محمدی ہی ہیں
راہ سنت کے سمجھنے کا صحابہؓ واسطہ
تو صحابہؓ کے طریقے کا فقہاء واسطہ
ج ہو قرآن سے ثابت تو بات ختم ہوئی
پہلا قانون کیا ہے؟ قرآن سے ثابت ہو تو بس ٹھیک ہے۔
جس میں دلیل ہو سنت تو بات ختم ہوئی
جس پہ اجماع ہو حجت تو بات ختم ہوئی
جو صحابہؓ میں کوئی بات اختلافی رہے
تو اجتہاد ہی پھر اس کا علاج شافی رہے

یعنی اجتہاد کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب صحابہ میں کسی بات میں اختلاف ہو۔

جو اجتہاد میں خطا ہو ملے پھر بھی ثواب
اور دگنا ہو یہ جب اجتہاد ہو با صواب
جو صرف خود کو کہے ٹھیک، یہ دعویٰ ہے خراب

یعنی دوسروں کے اجتہاد کا بھی خیال رکھنا ہے، اس کو بھی گنجائش دینی ہے۔

اس طرح مسلکِ حنفی و مالکی سب ٹھیک
ساتھ پھر مسلکِ شافعی و حنبلی سب ٹھیک
جان لو کس طرح غلط ہے تشدد کی راہ
جو خوارج تھے صحابہؓ کے بنے تھے بد خواہ
بس صرف خود کو ہی کہتے تھے ٹھیک وہ ہر گاہ
اپنے اعمال میں شدت تھی دین پر نہ رہے
تیر چھوٹے کماں سے، اس طرح نکل وہ گئے

یعنی حدیث شریف پر عمل سے وہ نکل گئے۔

اب اگر کام ہو کوئی اک صحابیؓ کا عمل
اور ہو دوسرے صحابیؓ سے کوئی دوسرا نقل
اس میں پھر جانے کوئی کیسے کہ کون سا ہے اصل
اب اگر کہہ دوں صحابہؓ کا اختلاف ہے یہ
ٹھیک دونوں مرے نزدیک ہیں انصاف ہے یہ

اگر میں کہہ دوں کہ یہ بھی ٹھیک ہے اور وہ بھی ٹھیک ہے تو بات بالکل صحیح ہے۔
کیونکہ دونوں طرف صحابہ ہیں۔

ہاں مگر ممکن تو ہے ایک کے پیچھے چلنا
ہاں ادب یہ ہے کہ دوسروں کو بھی ہے ٹھیک کہنا
کہ صحابہؓ کو غلط کہنے سے جو ہے ڈرنا
یہ خطر ناک فیصلہ کیوں نہ امام کرے
وہ اس قابل ہے احتیاط سے کلام کرے
پس ایک امام اگر قولِ صحابیؓ لے لے
اور کسی دوسرے صحابیؓ کا بھی کوئی لے لے
کیا غلط ہے کوئی تحقیق جو ان کی لے لے
تو یقیناً پھر ائمہ میں اختلاف ہو گا
لیکن ہر ایک کا ٹھیک ہونا ہی انصاف ہو گا

کیونکہ ہر طرف صحابہ ہیں، ہر ایک کے پاس دلیل ہے۔

پس محمد ﷺ کی پیروی سارے حنفی بھی کریں
یہ مالکی بھی کریں اور حنبلی بھی کریں
اس طرح سچ ہے کہ اس طرح شافعی بھی کریں
کہ ہیں قرآن و سنت پر یہ سب امام عامل
اور جو ان کے پیروکار ہیں وہ بھی شامل
اپنی تحقیق ہی پہ اس میں فیصلہ گر کریں
ہم جیسے لوگ نفس کی خواہشوں کے پیچھے چلیں
یا دو رکعت کے امام کو امام مانیں
اس طرح نفس ہی میرا اصل امام ہو گا
اسی خامی سے مرا کام ہر اک خام ہو گا

بات بنتی ہے تبھی ایک کو امام مانوں
جو مجھے اس سے ملیں میں وہی احکام مانوں
اور اپنے نفس کی تحقیقات کو میں خام مانوں
اور دوسرے جو ہیں امام ان کو ٹھیک کہوں
یہ اولیاء ہیں ان کے بارے خدا سے میں ڈروں

یعنی سب کی میں اپنے دل میں قدر کروں کہ یہ اولیاء ہیں۔ البتہ بات تو میں صرف اپنے امام کی مانوں گا، اسی میں فائدہ ہے۔ اب آگے شاگرد اعتراف کرتا ہے۔

شاگرد کا اعتراف

جزاک اللہ! کہ آپ نے مجھ کو سمجھدار کیا
میری غفلت سے آپ نے مجھے بیدار کیا
ان ائمہ کی محبت سے جو سرشار کیا
کرتا توبہ ہوں خدایا میں غلط خیالوں سے
شکر ہے بچ گیا شیطان کی ان چالوں سے
اب میں حنفی ہوں اور اس پر نہیں شرماتا ہوں
یہی طریق عافیت ہے یہ بتاتا ہوں
اب میں ایماں کی حلاوت بھی دل میں پاتا ہوں
ان اولیاء کے لئے میرے دل میں زیغ نہ رہا
اور اپنے آپ پہ وہ ظلم بے دریغ نہ رہا

ظاہر ہے ان کے خلاف بات کرنے میں نقصان تو اپنا ہی تھا۔ اب دوسروں کو نصیحت کرتا ہے۔

وہ مرے بھائی جو تقلید نہیں کرتے ہیں
بے مہار کرتے گفتگو ہیں، نہیں ڈرتے ہیں
نفس گرفتہ ہیں اور اس سے نہیں نکلتے ہیں

کاش کچھ سوچ لیں اور اپنی کچھ اصلاح کریں
اور اللہ کے حضور زاری بہ الحاح کریں
اور ہاں پھر بھی وہ تقلید پہ گر آ نہ سکیں
سوچتے سوچتے حقیقت کی گرہ پا نہ سکیں
خود کو آئینۂ فطرت اگر دکھا نہ سکیں
تو آئمہ کی بہر حال مخالفت نہ کریں
بد گمانی نہ کریں گر موافقت نہ کریں

یہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے۔ ان سے کچھ اہل حدیث حضرات بیعت ہوئے تو انہوں نے کہا کہ حضرت ہم اب اپنا مسلک چھوڑ دیں، تقلید اختیار کریں؟ فرمایا: آپ اپنی تحقیق پر عمل کرتے رہیں، میں درمیان میں نہیں آنا چاہتا۔ البتہ اتنا کہہ دوں گا کہ کسی امام کی مخالفت نہ کرو، ان کو برا نہ کہو۔ ان کے بارے میں کوئی غلط بات دل میں نہ رکھو۔

استاد

اپنے شاگرد پہ مجھے فخر ہے سبحان اللہ
ایسی تحقیق عظیم شاندار ہے کیا اللہ
بس مرے دل سے یہ نکلے ہے کہ ما شاء اللہ
یہ چند اشعار ہیں شبیرؔ کے ایک درسِ عظیم
سب سمجھ جائے اگر تھوڑا سا ہو قلب سلیم

گویا کہ ہم لوگوں کو حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ کار سمجھ میں آ جائے کہ 72 فرقے جو اپنے آپ کو حق پر کہنے والے ہیں وہ صرف ایک فرقہ ناجیہ کے پیچھے چلیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر ایک کے پاس کوئی دلیل ہو گی، کیونکہ علماء ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ جیسے حضرت نے فرمایا کہ ہر فرقہ کے ساتھ علماء ہیں، لیکن حق ایک کے ساتھ ہے۔

متن:

(یعنی فرقہ ناجیہ وہ ہے جو اس طریق پر ہو جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں)۔ صاحب شریعت علیہ الصلوۃ والتحیۃ کا ذکر (جس طریقے پر میں ہوں) کافی ہونے کے باوجود اس مقام پر اصحاب کرام کا ذکر اسی لئے ہو سکتا ہے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ "جو میرا طریقہ ہے وہی میرے اصحاب کا طریقہ ہے۔ لہذا نجات کا طریقہ ان حضرات کے اتباع پر موقوف ہے جیسا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء: 80)

ترجمہ: "جس نے رسول کی اطاعت کی تو یقیناً اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔"

پس رسول ﷺ کی اطاعت در حقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور آنحضرت ﷺ کی اطاعت کے خلاف کرنا سراسر اللہ تعالیٰ کی نا فرمانی ہے۔

جن لوگوں نے حق تعالیٰ و تقدس کی اطاعت کو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے خلاف تصور کیا ہے حق سبحانہ و تعالیٰ ان کے کفر کی اطلاع دیتا ہے اور ان پر کفر کا حکم لگاتا ہے چنانچہ فرماتا ہے: ﴿يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يُّفَرِّقُوۡا بَيۡنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّنَكۡفُرُ بِبَعۡضٍ وَّيُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّتَّخِذُوۡا بَيۡنَ ذٰلِكَ سَبِيۡلًا۰ اُولٰۤئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ حَقًّا﴾

(النساء: 151-150)

ترجمہ: "یعنی یہ لوگ ارادہ رکھتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کے درمیان فرق ڈالیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان کا راستہ اختیار کر لیں، یہی لوگ در حقیقت پکے کافر ہیں۔"

پس مذکورہ بالا صورت سے واضح ہو گیا کہ اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے طریقے کی پیروی کئے بغیر آنسرور عالم علیہ الصلوۃ و السلام کی اتباع کا دعوٰی کرنا باطل اور جھوٹ ہے۔ بلکہ حقیقت میں وہ اتباعِ رسول اللہ ﷺ کی عین نا فرمانی ہے پس اس (صحابہ کرام سے) مخالفت کے طریقے میں نجات کی کیا گنجائش ہے۔ (حق سبحانہ و تعالیٰ

کا ارشاد ہے) ﴿وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ﴾ (المجادلہ:18)

ترجمہ: "اور یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ وہ کسی اچھی حالت (حقیقت) پر ہیں خبر دار ہو جائیے بے شک یہی لوگ بڑے ہی جھوٹے ہیں"

ان کے حال کے مطابق ہے اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ وہ فرقہ جس نے آنسرور علیہ و علیہم الصلوات و التسلیمات کے اصحاب کرام کی متابعت کو لازمی طور پر اختیار کیا ہے اہل سنت و الجماعت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو مشکور فرمائے۔ پس یہی لوگ فرقہ ناجیہ ہیں۔

تشریح:

آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے خود فرمایا جو میرے طریقے پر اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہے۔ گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی سنت اور جماعت صحابہ۔ جو جماعت صحابہ سے آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی پیروی لے رہے ہیں وہ اہل سنت و الجماعت ہیں۔ اس کے علاوہ جو دوسرے طریقے پر ہے وہ اہل سنت و الجماعت نہیں ہے۔

متن:

اور کیونکہ پیغمبر خدا ﷺ کے اصحاب کرام کو طعن کرنے والے لوگ خود ان (**صحابہ کرام رضی اللہ عنھم أجمعین**) کی اتباع سے محروم ہیں جیسا کہ شیعہ اور خارجی اور معتزلہ جو خود نیا پیدا شدہ مذہب رکھتے ہیں۔ ان (معتزلہ) کا سردار واصل بن عطاء حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے ہے جو ایمان اور کفر کے درمیان واسطہ ثابت کرنے کے باعث امام (موصوف) سے جدا ہو گیا اور امام نے اس کے بارے میں فرمایا "**اِعْتَزَلَ عَنَّا**" "ہم سے جدا ہو گیا۔" باقی تمام فرقوں کو بھی اسی پر قیاس کر لیجئے۔

اور اصحاب کرام رضی اللہ عنھم اجمعین کے حق میں طعن کرنا فی الحقیقت پیغمبر

خدا ﷺ کے حق میں طعن کرنا ہے "**مَا آمَنَ بِرَسُوْلِ اللهِ مَنْ لَّمْ يُوَقِّرْ أَصْحَابَهٗ**" "جس نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی عزت و تعظیم نہیں کی وہ رسول اللہ ﷺ پر بھی ایمان نہیں رکھتا۔" اس لئے کہ ان حضرات کے ساتھ خباثت کرنا ان کے صاحب (یعنی پیغمبر علیہ الصلوۃ و السلام) کے ساتھ خباثت کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس برے اعتقاد سے بچائے۔ اور نیز جو شرعی احکام قرآن و حدیث کے واسطے سے ہم تک پہنچے ہیں وہ سب انہی (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین) کی نقل و روایت کے وسیلے سے ہیں۔ جب وہ (اصحاب کرام) مطعون ہوں گے تو ان کی نقلیں اور روایتیں بھی مطعون ہوں گی۔ اور یہ نقل و روایات ایسی نہیں کہ بعض کے سوا بعض کے ساتھ مخصوص ہوں بلکہ تمام اصحاب کرام عدالت (تقوٰی)، صدق اور (احکام شریعت کی) تبلیغ میں برابر ہیں۔ پس ان میں سے کسی ایک (صحابی) کو بھی طعن و تشنیع کرنے سے دین میں طعن کرنا لازم آتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بچائے۔ اور اگر طعن لگانے والے یہ کہیں کہ ہم اصحاب کرام کی متابعت کرتے ہیں (لیکن) یہ ضروری نہیں کہ ہم سب اصحاب کی متابعت کریں، بلکہ ان کے اجتہادوں کے متضاد اور ان کے مذہبوں کے مختلف ہونے کے باعث ان سب کی متابعت ممکن بھی نہیں ہے۔ تو ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ بعض اصحاب کی متابعت اس وقت فائدہ مند ہو سکتی ہے جب کہ بعض دوسرے اصحاب کا انکار اس کے ساتھ شامل نہ ہو، کیونکہ مثلاً حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب) نے خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی عزت و تکریم کی ہے اور ان کے مقتدا ہونے کی شان کو جانتے ہوئے ان سے بیعت کی ہے، پس خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا انکار کرنے کے باوجود حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کی متابعت کا دعوی کرنا محض افترا و بہتان ہے بلکہ وہ (خلفائے ثلاثہ کا) انکار در حقیقت حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انکار ہے اور ان کے اقوال و افعال کا صریح رد ہے۔

تشریح:

یہ بہت بڑا عجیب نکتہ بیان فرمایا ہے کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلفائے ثلاثہ کے ساتھ باقاعدہ مشیر کے طور پر رہے ہیں بلکہ کچھ لوگوں نے جب امیر رضی اللہ تعالی

عنہ پر اعتراض کیا کہ ان کے وقت میں بڑی اچھی حالت تھی، فتوحات ہو رہی تھیں، دین پھیل رہا تھا اور آپ کے دور میں فتنہ فساد ہے۔ حضرت امیر رضی اللہ تعالی عنہ نے جواب دیا کہ میں ان کا مشیر تھا اور میرے مشیر تم ہو، یہ جو ہو رہا ہے اس وجہ سے ہو رہا ہے کہ تم میرے مشیر ہو یہ تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے۔

متن:

اور تقیہ کے احتمال (شک) کو حضرت اسد اللہ (شیر خدا یعنی حضرت علی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں بیان کرنا بھی عقل کی کمی (بے وقوفی) کی وجہ سے ہے۔ صحیح عقل ہرگز اس بات کو جائز نہیں سمجھتی کہ حضرت اسد اللہ (شیر خدا) کمال معرفت و شجاعت کے با وجود خلفائے ثلاثہ کے بغض کو تیس سال تک پوشیدہ رکھیں اور ان کے خلاف کچھ ظاہر نہ کریں اور ان کے ساتھ منافقانہ صحبت رکھیں۔ اس قسم کا نفاق کسی ادنیٰ درجے کے مسلمان سے بھی تصور نہیں کیا جا سکتا۔

تشریح:

اس کا بہت آسان جواب ہے کہ اگر تقیہ دین کی کوئی ضروری بات تھی تو امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ نے کیوں نہیں کیا؟ اگر آپ اتنا ضروری سمجھتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تیس سال تک تقیہ کیا اور اپنی بات کو ظاہر نہیں کیا تو تیس مہینے حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ تقیہ نہیں کر سکتے تھے؟ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ یہ تقیہ نہیں تھا۔

متن:

اس فعل کی برائی کو معلوم کر لینا چاہیے کہ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کسی قسم کی برائی اور کس طرح کا فریب و نفاق منسوب ہو جاتا ہے۔ اور اگر بفرضِ محال حضرت اسد اللہ کے حق میں تقیہ جائز بھی ہو تو حضرت پیغمبر خدا ﷺ خلفائے ثلاثہ کی جو عزت و تعظیم کرتے تھے اور ابتدا سے انتہا تک ان کو بزرگ جانتے رہے ہیں، یہ

لوگ اس کا کیا جواب دیں گے وہاں تقیہ کی گنجائش نہیں ہے، حق بات کی تبلیغ پیغبر پر واجب ہے تقیہ کو وہاں داخل کرنا (الحاد و کفر) تک پہنچا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (المائدہ: 67)

ترجمہ: "اے اللہ کے رسول! جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے اس کو (لوگوں تک) پہنچا دیجئے۔ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو رسالت کا حق ادا نہ کیا اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا۔"

کفار کہا کرتے تھے کہ "محمد (ﷺ) اس وحی کو جو اس کے موافق ہوتی ہے ظاہر کر دیتا ہے اور جو وحی اس کے خلاف ہوتی ہے اس کا اظہار نہیں کرتا (بلکہ) اس کو چھپا لیتا ہے۔ اور یہ بات ثابت ہے کہ نبی کو خطا پر قائم رکھنا جائز نہیں ہے ورنہ اس کی شریعت میں خلل اور نقص پیدا ہو جاتا ہے پس جب آنحضرت ﷺ سے خلفائے ثلاثہ کی تعظیم و توقیر کے خلاف کچھ بھی ظاہر نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ ان (خلفائے ثلاثہ) کی تعظیم و توقیر کرنا خطا سے مامون اور زوال سے محفوظ تھی۔

تشریح:

حضرت نے یہاں پر اسی آیت کو مستدل بنایا ہے جو ان کی مستدل ہے۔ وہ یہی آیت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بتاتے ہیں کہ اگر آپ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولایت کو ظاہر نہیں کریں گے تو پھر نعوذ باللہ آپ نے رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔ حضرت نے اسی کو اپنی دلیل کا ذریعہ بنایا ہے۔ فرمایا: جب اللہ پاک نے ان کو یہ فرما دیا تو پھر رسالت نہیں رہتی ہے۔ اگر تیس سال اپنی زندگی میں حضرت نے چھپایا ہے اور تقیہ کیا ہے۔ تو نعوذ باللہ ان کی رسالت پر شک کرو گے کہ انہوں نے اپنی رسالت کا حق ادا نہیں کیا؟ اور اگر حق ادا کیا ہے تو پھر آپ کی یہ بات غلط ہو جاتی ہے۔ حضرت نے انہیں کی دلیل کو ان کے منہ پر بڑی آسانی کے ساتھ مار دیا۔

متن:

اب ہم اصل بات کی طرف رخ کرتے ہیں اور ان کے اعتراض کا جواب زیادہ صاف و واضح طریقے پر دیتے ہیں کہ اصول دین میں تمام اصحاب کرام کی متابعت لازم ہے اور وہ (صحابہ) اصول کے اندر آپس میں ہرگز کوئی اختلاف نہیں رکھتے تھے۔ اگر (کچھ) اختلاف ہے بھی تو وہ صرف فروع میں ہے۔ اور جو شخص ان میں سے بعض کو طعن کرتا ہے تو وہ سب کی متابعت سے محروم ہے۔ ہر چند ان (اصحاب کرام) کا کلمہ متفق ہے (یعنی اصول دین میں سب کے سب ایک ہی ہیں) لیکن بزرگان دین کے انکار کی بد بختی (دوسرے لوگوں کو) اختلاف میں ڈال دیتی ہے اور متفق ہونے سے خارج کر دیتی ہے بلکہ قائل کا انکار اس کے کلام کے انکار تک پہنچا دیتا ہے۔ اور نیز شریعت کے پہنچانے والے سب کے سب اصحاب کرام ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے "**لِاَنَّ الصَّحَابَةَ كُلُّهُمْ عُدُوْلٌ**" "کیونکہ تمام صحابہ عادل (متقی) ہیں۔" ہر ایک (صحابی) سے کچھ نہ کچھ شریعت ہم تک پہنچی ہے اور اسی طرح قرآن کریم کو بھی ہر ایک (صحابی) سے ایک آیت یا زیادہ آیتیں لے کر جمع کیا گیا ہے۔ لہذا کسی صحابی کا انکار کرنا اس کی تبلیغ کا (اور اس سے منقول شدہ آیات کا) انکار ہے۔ پس جب اس منکر کے حق میں پوری شریعت کا بجا لانا ناممکن ہوا تو اس کی نجات اور کامیابی کس طرح ہو سکتی ہے۔

تشریح:

بہت بڑی دلیل دی ہے۔ بہت آسانی کے ساتھ دلیل دے رہے ہیں لیکن ہم لوگ قدر نہیں کرتے ہیں کہ حضرت نے کیا بات بیان فرمائی ہے۔ حضرت نے بہت بڑی بات بیان فرمائی ہے کہ قرآن صحابہ سے جمع ہوا ہے جس کے لئے با قاعدہ کمیٹی بنی تھی۔ اور اصل میں ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے وقت میں جمع ہوا ہے اور عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے وقت میں اس کا مجموعہ شائع ہوا ہے۔ یعنی ایک مصحف پر سب متفق ہوئے تھے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جمع کیا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی مدد سے۔ ان کو کمیٹی کا امیر بنایا اور انہوں نے با قاعدہ اس کے اصول وضع فرما دیئے اور اس پہ گواہی لیتے تھے کہ یہ قرآن کی آیت ہے۔ اس طریقے سے سارا قرآن پاک جمع ہو گیا۔ ان کا اپنا اصول ہے کہ صرف معصومین کے ذریعے دین ہم تک پہنچا ہے۔ اس

وقت معصومین میں ان کے نزدیک صرف فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے کچھ ہمنوا تھے۔ مکمل تعداد گیارہ بنتی ہے۔ کیا سارا قرآن ان کے ذریعہ سے جمع ہوا؟ باقی حصہ جو جمع ہوا ہے وہ کیا ہے؟ کیا اس کو قرآن نہیں کہیں گے؟ اگر قرآن نہیں کہیں گے تو قرآن کا انکار ہو گیا اور قرآن کہیں گے تو صحابہ کرام صحیح ثابت ہوئے۔ بہت آسانی کے ساتھ حضرت اتنی زبردست دلیل دیتے ہیں جس سے وہ بھاگ نہیں سکتے۔ کیونکہ اس وقت فتنہ تھا جس کو دبانے کے لئے اللہ پاک نے حضرت کو کلامی موضوعات میں بہت زیادہ فقاہت عطا فرمائی تھی۔

متن:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَٰلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ﴾ (البقرہ: 85)

ترجمہ: "یعنی کیا تم کتاب کے بعض حصہ پر ایمان لاتے ہو اور بعض حصہ کا انکار کرتے ہو پس تم میں سے جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کی جزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ دنیا میں ذلیل و خوار ہوں اور آخرت میں سخت عذاب کی طرف دھکیل دیئے جائیں"

اس کے باوجود ہم کہتے ہیں کہ موجودہ قرآن مجید حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جمع کیا ہوا ہے بلکہ فی الحقیقت قرآن کریم کے جمع کرنے والے حضرت صدیق و حضرت فاروق رضی اللہ عنہم ہیں۔ حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) کا جمع کیا ہوا قرآن اس قرآن کے علاوہ ہو گا۔ پس سوچنا چاہیے کہ ان بزرگوں کا انکار حقیقت میں قرآن کریم کے انکار تک پہنچاتا ہے عِيَاذًا بِاللّٰهِ سُبْحَانَهٗ (اللہ سبحانہ کی پناہ)۔

ایک شخص نے اہل شیعہ کے کسی مجتہد سے سوال کیا "یہ قرآن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جمع کیا ہوا ہے آپ کا اس قرآن مجید کے متعلق کیا اعتقاد ہے؟ اس نے جواب دیا: میں اس کے انکار میں مصلحت نہیں دیکھتا کیونکہ اس کے انکار سے تمام دین درہم برہم ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں عقلمند آدمی ہرگز کبھی اس کو جائز نہیں سمجھتا کہ آں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے روز ہی باطل

امر پر اجماع کر لیں۔ اور یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی رحلت کے دن آپ ﷺ کے تینتیس ہزار اصحاب حاضر تھے اور انہوں نے اپنی رضا و رغبت سے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کے ہاتھ پر) بیعت کی۔ رسول اللہ ﷺ کے ان سب اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کا گمراہی پر جمع ہونا محالات میں سے ہے حالانکہ آنحضرت **علیہ الصلوۃ والتحیۃ** نے فرمایا ہے: "**لَا تَجْتَمِعُ أُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ**"

ترجمہ: "میری اُمت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہو گی۔"

تشریح:

ایک صاحب نے سوشل میڈیا پر ایک فتنہ پھیلایا تھا۔ اس نے اتنی ڈھٹائی کے ساتھ یہ کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی رحلت کے وقت مدینہ منورہ میں ایک لاکھ کے لگ بھگ صحابہ موجود تھے اور سوائے 11 صحابہ کے کسی نے آپ صلی اللہ علیہ و سلم کا جنازہ نہیں پڑھا۔ ایک عالم نے انہیں کی کتابوں سے اس کو جواب دیا۔ ان کی "اصول کافی" ایک کتاب ہے جس میں لکھا ہے کہ جتنے انصار و مہاجر صحابہ کرام تھے، سب نے جنازہ پڑھا۔ ان کے ہاں اصول کافی سے زیادہ کوئی اور معتبر کتاب نہیں ہے۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک لاکھ نہیں بلکہ 33 ہزار تھے۔ بہر حال جتنے تھے سب نے پڑھی، چاہے وہ انصار تھے، چاہے مہاجرین تھے۔ ان کو پتا ہے کہ ہماری کتابوں میں کون دیکھے گا؟ اور وہ اتنے دھڑلے کے ساتھ جھوٹ کہہ دیتے ہیں کہ چلو جی دیکھا جائے گا۔ مثال کے طور پر کوئی انکار کرے گا تو انکار کہاں تک پہنچے گا۔ آج کل مناظرے کا یہ ایک آرٹ ہے۔ غامدی بھی ایسا کرتا ہے پوسٹ لگا دیتا ہے۔ اس کی بات تو لوگوں تک پہنچ گئی شک تو پیدا ہو گیا۔ اب شک رفع کرنے والے کی بات کن تک پہنچتی ہے اور کتنی دیر بعد پہنچتی ہے؟ اس کا کسی کو پتا نہیں۔ پشتو میں کہتے ہیں کہ جب تک سچ آتا ہے جھوٹ نے گاؤں کے گاؤں برباد کر دیئے ہوتے ہیں۔ بات بالکل صحیح ہے کہ جب تک سچ آئے گا تب تک جھوٹ نے بہت سے لوگوں کے ایمان کو خراب کر دیا ہو گا۔ اصل میں آج کل سوشل میڈیا کا ایک آرٹ ہے کہ کسی بات کو چھپانا ہو، کسی حق کو چھپانا ہو، تو اتنی information storm کر لو (یعنی غلط معلومات اتنی پھیلا دو) کہ

اس میں حق نظر ہی نہ آئے، آگے پیچھے، ادھر ادھر، سارا کچھ ختم۔ آپ کس پر یقین کریں کس پر نہ کریں۔ مثال کے طور پر آپ کسی گروپ میں اچھی بات کر لیتے ہیں، کسی کو وہ اچھی نہیں لگتی تو وہ ایک دم ادھر ادھر فضول چیزیں ڈال دے گا اور حق بات دور چلی جائے گی وہ کون دیکھے گا پھر؟ اس وجہ سے ہمیں بڑا ہوشیار رہنا پڑے گا اور آج کل کی Information techniques کو جاننا پڑے گا کہ آج کل information (معلومات) کی کون سی techniques (تکنیک) ہمیں گمراہ کرنے کے لئے بنائی گئی ہیں اور کس طریقے سے ہمیں نشانہ بنایا جا رہا ہے؟

متن:

اور جو توقف ابتداء میں حضرت امیر (علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے واقع ہوا ہے وہ اس وجہ سے تھا کہ اس مشورہ میں حضرت امیر کو نہیں بلایا گیا تھا چنانچہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے خود فرمایا "**مَا غَضِبْنَا اِلَّا لِتَاَخُّرِنَا عَنِ الْمَشْوَرَةِ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ خَيْرًا مِّنَّا**" "ہم اس لئے ناراض ہوئے ہیں کہ ہم کو مشورہ میں نہیں بلایا گیا ورنہ یہ تو ہم بھی جانتے ہیں کہ بے شک ابو بکر ہم سے بہتر ہیں۔" اور ان (حضرت امیر) کو مشورہ میں نہ بلانا بھی کسی مصلحت پر مبنی ہو گا۔ مثلاً اہل بیت نبوی کی تسلی کے لئے اس مصیبت کے اول صدمہ کے وقت میں حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان کے پاس موجود ہونا وغیرہ ذالک۔ اور وہ اختلافات جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام کے درمیان واقع ہوئے تھے وہ نفسانی خواہشات کی وجہ سے نہیں تھے۔

تشریح:

میرے دل کی ایک بات ہے جو صحیح بھی ہو سکتی ہے اور غلط بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن بہر حال عرض کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ و سلم کا اس دنیا سے تشریف لے جانا معمولی واقعہ نہیں تھا بلکہ بہت بڑا واقعہ تھا اور خلیفہ کا زمین پر موجود نہ ہونا بہت بڑا مسئلہ ہوتا ہے اور صحابہ کرام اس کو جانتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی تدفین کتنی بڑی بات تھی، لیکن تاخیر اس وجہ سے ہوئی کہ خلافت قائم ہو جائے اور بیعت کا التزام مقصود تھا۔ آج کتنا وقت لگتا ہے الیکشن پر؟ اس وقت بیعت وغیرہ ہو رہی تھی جس کی وجہ سے انہوں نے تاخیر کی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو اہل بیت اور اہل خانہ تھے۔

اہل خانہ کا غم بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ان کو اس وجہ سے نہ بلایا جائے کہ وہ یہ محسوس نہ کر لیں کہ یہ کون سا وقت ہے جو آپ لوگ خلیفہ چن رہے ہیں؟ کیونکہ ان کا دل زخمی تھا۔ لیکن دوسرے حضرات کو پتا تھا کہ اس وقت یہ کام بہت زیادہ اہم ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر روک بھی نہیں سکتے، لیکن ان کا دل رکھنے کے لئے ان کو بتانا بھی نہیں تھا۔ بہر حال اصل بات تو اللہ تعالیٰ کو پتا ہے، لیکن ہمیں اچھا گمان رکھنا چاہیے۔

متن:

کیونکہ ان کے پاکیزہ نفس، تزکیہ حاصل کر چکے تھے اور امارگی (کے درجہ سے) (نکل کر) اطمینان (کے درجہ) تک پہنچ چکے تھے ان کی تمام خواہشات شریعت مقدسہ کے تابع ہو چکی تھیں بلکہ وہ اختلاف اجتہاد اور حق بلند کرنے پر مبنی تھا پس ان میں سے (اجتہادی) خطا کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک درجہ رکھتا ہے اور صحیح اجتہاد کرنے والے کو تو دو درجے (دوہرا ثواب) حاصل ہوتے ہیں پس اپنی زبان کو ان کی شان میں گستاخی کرنے سے روکنا چاہیے اور ان سب کو نیکی سے یاد کرنا چاہیے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ "**تِلْكَ دِمَاءٌ طَهَّرَ اللّٰهُ عَنْهَا أَيْدِيَنَا فَلْنُطَهِّرْ عَنْهَا أَلْسِنَتَنَا**" "یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا ہے پس ہمیں اپنی زبانوں کو ان سے پاک رکھنا چاہیے۔" اور نیز امام شافعی نے فرمایا ہے: "**اِضْطَرَّ النَّاسُ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَجِدُوْا تَحْتَ أَدِيْمِ السَّمَاءِ خَيْرًا مِّنْ أَبِيْ بَكْرٍ فَوَلَّوْهُ رِقَابَهُمْ**" "رسول اللہ ﷺ (کی وفات) کے بعد لوگ بے چین ہو گئے پس انھوں نے آسمان کی چھت کے نیچے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہتر کسی کو نہ پایا تو ان کو اپنی گردنوں کا والی بنا لیا (یعنی) ان کو خلیفہ مقرر کر لیا اور ان کی اطاعت کو لازم جانا۔" یہ قول (حضرت امیر کے) تقیہ کی نفی اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت پر حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رضا مندی کی صراحت کرتا ہے۔

طریق نقشبندی میں متابعت سنت پر زور کے بارے میں مکتوب 210 دفتر اول میں ارشاد فرماتے ہیں۔

متن:

اور (میں نے) اپنے رسائل و کتابوں میں اس معنی کی تحقیق میں لکھا ہے اس غرض کو حاصل کرنے کے لئے طریقہ عالیہ نقشبندیہ کا اختیار کرنا تمام طریقوں سے زیادہ اولیٰ و انسب ہے کیونکہ ان بزرگوں نے سنت کی متابعت کو اپنے اوپر لازم کیا ہے اور بدعت سے اجتناب کرنے کے لئے فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ان کو متابعت کی دولت حاصل ہو جائے اور احوال کچھ نہ رکھتے ہوں تو خوش ہیں اور اگر احوال حاصل ہونے کے باوجود متابعت میں فتور و کمی محسوس کریں تو ان احوال کو پسند نہیں کرتے۔ حضرت خواجہ احرار قدس اللہ تعالیٰ سرہ نے فرمایا ہے کہ اگر تمام احوال و مواجید ہم کو دے دیئے جائیں اور ہماری حقیقت کو اہل سنت و الجماعت کے اعتقادات سے نہ نوازیں تو ہم سوائے خرابی کے اور کچھ نہیں جانتے۔ اور اگر اہل سنت و الجماعت کے اعتقادات ہم کو عطا کر دیئے جائیں اور حال و احوال سے کچھ نہ ملے تو پھر کچھ غم نہیں ہے۔

تشریح:

اصل میں نقشبندی سلسلہ واقعی با کمال اور مختصر طریقہ ہے۔ لیکن اس کو حاصل کرنے کے لئے احتیاطی تدابیر سخت ضروری ہیں۔ مختصر طریقے میں احتیاطی تدابیر زیادہ ہوتی ہیں، ورنہ سارے لوگ اختیار کر لیں۔ اب احتیاطی تدابیر کون سی ہیں؟ مثلاً اس میں مجاہدہ عام مجاہدہ نہیں ہے جس کو ہم لوگ مجاہدہ سمجھتے ہیں بلکہ اس میں مجاہدہ اس چیز پر ہے کہ لوگوں کے درمیان رہ کر لوگوں میں نہ ہونا۔ "خلوت در انجمن" یہ کوئی معمولی مجاہدہ نہیں ہے۔ سنت پر راسخ رہنا، ذرا بھی آگے پیچھے نہ ہونا، یہ بہت بڑا مجاہدہ ہے۔ اس پہ آپ عام حالات میں قائم نہیں رہ سکتے۔ تیسری بات یہ ہے کہ عزیمت پر عمل کرنا، رخصت نہ لینا۔ عزیمت پر عمل کرنا بذات خود بہت بڑا مجاہدہ ہے۔ اب مجھ میں تین چیزیں نہ ہوں اور میں کہتا ہوں کہ میں نقشبندی ہوں تو سارے معاف ہی معاف ہیں، کیونکہ سب سے اونچا طریقہ یہی ہے۔ بھائی اونچا طریقہ ہونے کے لئے جو ذرائع تھے وہ آپ نے کاٹ دیئے، اس کے بعد پھر کون سا اونچا طریقہ آپ کے پاس رہ

گیا؟ ہر چیز کی بنیاد ہوتی ہے، اس کی بنیاد کو لے لو تو پھر ٹھیک ہے، ہم بھی مبارک باد دینے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن اگر آپ ان میں سے کسی اصول کو توڑتے ہیں، بدعتوں سے بھی نہیں بچتے اور رخصت سے بھی نہیں بچتے۔ اتنی رخصت کہ عورتوں کے ساتھ آزادانہ ملنا، خلوت میں ملنا اور پھر بھی بہت بڑے بزرگ بنے ہوتے ہیں۔ یہ کیسے بزرگ ہیں؟ کہاں رخصت اور عزیمت اور کہاں مالی گھپلوں میں مبتلا ہو جانا! ان چیزوں کی کوئی پرواہ نہ کرنا، یہ طریقہ نقشبندیہ نہیں ہے۔ یہ کوئی بگاڑ ہے۔ نقشبندی طریقہ سب سے اونچا طریقہ ہے۔ میری اپنی نسبت نقشبندی ہے، میں اپنے طور پر کچھ نہیں کہہ رہا، مجھے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ تمہاری نسبت نقشبندی ہے۔ لیکن اس پر عمل کرنے کے لئے ہمیں اپنے آپ کو اس کے مطابق بنانا پڑے گا۔

نمبر 1: کوئی رخصت نہ ہو بلکہ عزیمت کا پہلو ہو۔

نمبر 2: سنت ہو بدعت بالکل نہ ہو۔

نمبر 3: "خلوت در انجمن" یعنی ہم لوگوں کے درمیان رہ کر بھی لوگوں میں نہ ہوں۔

یہ چیزیں اگر ہمارے پاس ہیں تو سبحان اللہ بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن اگر یہ چیزیں ہمارے اندر نہیں تو ہم نے نام بڑا اونچا پایا، کام کچھ بھی نہیں کیا۔ پدرم سلطان بود والی بات اس میں بھی چلتی ہے حالانکہ نہیں چلنی چاہیے۔

اور مکتوب 255 دفتر اول میں فرماتے ہیں۔

متن:

منقول ہے کہ حضرت مہدی اپنی سلطنت کے زمانے میں جب دین کی ترویج کریں گے اور احیائے سنت کا حکم دیں گے تو مدینہ کا عالم جس نے بدعت پر عمل کرنا اپنی عادت بنا لی ہو گی اور اس (بدعت) کو اچھا سمجھ کر دین کے ساتھ ملا لیا ہو گا وہ تعجب سے کہے گا کہ اس شخص (امام مہدی) نے ہمارے دین کو ختم کر کے ہماری ملت کو مار ڈالا ہے حضرت مہدی اس عالم کے قتل کا حکم فرمائیں گے اور اس کے حسنہ (اچھائی) کو سیئہ (برائی) خیال کریں گے: ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ (الجمعہ: 4)

ترجمہ: "یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے

اور اس دولت عظمیٰ کے حاصل کرنے کے لئے قریب ترین راستہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم ہے، کیونکہ ان بزرگواروں نے اپنے سیر کی ابتدا عالمِ امر سے کی ہے اور قلب سے **مُقَلِّبِ** قلب(قلب کے پھیرنے والے) کی طرف لے گئے ہیں اور انہوں نے دوسروں کی ریاضتوں اور مجاہدوں کے بجائے سنت کو لازم پکڑا ہے اور بدعت سے پرہیز کیا ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ فرماتے ہیں "طریقِ ما اقربِ طرق است اما التزامِ سنت کارِ مشکل است" یعنی ہمارا طریقہ سب طریقوں سے قریب ترین ہے لیکن سنت کا التزام کرنا بہت مشکل کام ہے

تشریح:

حضرت خود فرماتے ہیں یہ آسان کام نہیں ہے کہ اس پر اڑ جانا اور اس سے آگے پیچھے نہ ھونا۔ بلکہ یہ با قاعدہ ایک مستقل مشکل کام ہے۔

مکتوب 87 دفتر دوم میں اہم نصیحت کے طور پر ارشاد فرماتے ہیں۔

متن:

ایک نصیحت جو سعادت مند دوستوں کے لئے ہے **سنتِ سنیہ علی صاحبھا الصلوۃ والسلام والتحیۃ** کی اتباع اور بدعت نا پسندیدہ سے اجتناب کرنا ہے۔ اور جو شخص سنتوں میں سے کسی سنت کو جس پر عمل کرنا متروک ہو گیا ہو، زندہ کرے اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے تو پھر اندازہ کیجئے کہ جو شخص فرائض میں سے کسی فرض کو یا واجبات میں سے کسی واجب کو زندہ کرے گا تو اس کو کس قدر ثواب ملے گا۔ پس نماز میں تعدیل ارکان (ارکان کو اطمینان سے ادا کرنا) جو اکثر علماء حنفیہ کے نزدیک واجب ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ و امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرض ہے اور بعض علماء حنفیہ کے نزدیک سنت ہے، اکثر لوگوں نے اس امر کو ترک کر دیا ہے۔ اس ایک عمل کا زندہ اور جاری رکھنا بھی فی سبیل اللہ سو شہیدوں کے ثواب سے زیادہ ہو گا۔ باقی احکام شرعیہ یعنی حلال و حرام و مکروہ کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے۔ علماء

نے فرمایا ہے کہ ایک دمڑی اس شخص کو واپس دے دینا جس سے غیر شرعی طریقے سے ظلم پر حاصل کی ہو دو سو درہم صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔ نیز علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص کے نیک عمل پیغمبر کے عملوں کے مانند ہوں اور اس پر کسی شخص کی آدھی دمڑی جتنا حق باقی رہ گیا ہو تو اس شخص کو اس وقت تک بہشت میں نہ لے جائیں گے جب تک اس نیم دمڑی کو ادا نہ کر دے گا۔ غرض اپنے ظاہر کو احکام شرعیہ سے آراستہ کر کے باطن کی طرف متوجہ ہونا چاہیے تاکہ غفلت کے ساتھ آلودگی نہ رہے۔ اور باطن کی امداد کے بغیر احکام شرعیہ سے آراستہ ہونا مشکل ہے۔ علماء فتوی دیتے ہیں اور اہل اللہ کام کرتے ہیں۔ باطن کے اہتمام کے ساتھ ساتھ لازم ہے کہ ظاہر کا اہتمام بھی ہو۔ اور کوئی باطن ہی کی درستی میں لگا رہے اور ظاہر کی پرواہ نہ کرے وہ ملحد ہے اور اس کے باطنی احوال استدراج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ باطنی حالات کے درست ہونے کی علامت یہ ہے کہ ظاہر احکام شرعیہ سے آراستہ ہو۔ استقامت کا طریقہ یہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

تشریح:

معلوم ہوا حضرت نے با قاعدہ ساری باتیں جمع کی تھیں، اس وقت کے فتنے بہت زیادہ تھے۔ ان تمام فتنوں کے رد کے لئے حضرت نے بڑی پکی باتیں کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی سمجھ کی توفیق عطا فرمائے اور اس کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ پکی بات ہے کہ جیسے اللہ پاک نے فرمایا ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب: 21)

ترجمہ: "حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے" اس لئے اہل حق کے ہاں سنت کی دعوت یقینی امر ہے تو حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ علیہ کے ہاں کیوں نہ ہوتی؟ اور بدعت جو سنت کے مقابل ہے اس سے بیزاری کیوں نہ ہو؟

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مقامات قطبیہ ومقالات قدسیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ

اَمَّا بَعْدُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زہد کے بارے میں ان کے صاحبزادہ حضرت شیخ عبد الحلیم رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

متن:

فصل

حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حزن، عشق، فکر اور معرفت کے بیان میں

حضرت شیخ صاحب معرفت کے شہسواروں میں سے تھے۔ لوگ ایسا کہتے ہیں کہ جو کوئی حق کو پہچانے تو آگ کا عذاب اس پر اثر نہیں کرتا۔ یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوئی تو وہ آگ کے لیے عذاب ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کی معرفت کو حاصل نہ کیا تو آگ اس کے لیے عذاب ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے پوچھا کہ آخر کس عمل کے طفیل اللہ تعالیٰ نے تم کو علمِ غیب کی نعمت عطا فرمائی؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ میں نے جو عمل بھی سر انجام دیا میں نے کبھی بھی اس کے اجر کی لالچ نہیں کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے جو کہ عطا کرنے والا ہے، مجھے اتنا کچھ عطا فرمایا کہ جس کا حساب و شمار نہیں۔

تشریح:

یہ کافی مشکل مرحلہ ہے جس کے بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں ہیں۔ الفاظ تو ہر انسان ادا کر سکتا ہے لیکن اس کی حقیقت ہر ایک کو حاصل نہیں ہوا کرتی۔ ایک بات یاد رکھنی چاہیے کہ اللہ، اللہ ہے اور ہم اس کے بندے ہیں، ہم اس کی مخلوق ہیں۔ اللہ نے ہمیں جو کچھ بھی عطا فرمایا وہ اس نے اپنے فضل سے عطا فرمایا اس میں ہمارا کوئی

بھی حق نہیں تھا۔ ہمارے وجود میں آنے میں بھی ہمارا کوئی حق نہیں تھا، ہمیں انسان بنانے میں بھی ہمارا کوئی حق نہیں تھا، ہمیں اچھی صحت دینے میں بھی ہمارا کوئی حق نہیں تھا، ہمیں جو رزق ملتا ہے اس میں بھی ہمارا کوئی حق نہیں ہے۔ جو بھی اللہ دے رہا ہے اپنی طرف سے دے رہا ہے اس میں ہماری کوئی چیز بھی اپنی کمائی ہوئی نہیں ہے۔ اب تین قسم کے لوگ ہیں:

ایک وہ کہ جنہیں اللہ نے کوئی نعمت دی ہے، اس میں خود ان کا کوئی کمال نہیں ہے لیکن وہ اس پر فخر کرتے ہیں اور دوسروں کو اس بنیاد پر کم مرتبہ سمجھتے ہیں۔ یہ تو پرلے درجہ کے بیوقوف ہیں اور وہ اس بیوقوفی کی سزا بھی بھگتیں گے کیونکہ یہ بے وقوفی اختیاری ہے۔ مثلاً کسی آدمی کو اللہ تعالیٰ نے سادات گھرانے میں پیدا کیا تو اِس میں اُس آدمی کا کوئی کمال نہیں۔ اب اگر وہ سیّد ہو کر دوسرے لوگوں کو اپنے سے کم مرتبہ سمجھے تو یہ بیوقوفی ہے۔ اگر اللہ پاک نے کسی کو لمبے قد کا بنایا ہے، بڑا وجیہ بنایا ہے، بڑا خوبصورت بنایا ہے اور دوسرے کو چھوٹے قد کا بنایا ہے، اتنا خوبصورت نہیں بنایا تو جس کو لمبے قد کا خوبصورت بنایا ہے اِس میں خود اُس کا کوئی کمال نہیں، اور جس کو نہیں بنایا تو اس میں اُس آدمی کی طرف سے کوئی کمی نہیں ہے، اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اگر لمبے قد والا خوبصورت آدمی اس چھوٹے قد والے کو طعنہ دیتا ہے تو بلاشبہ یہ بیوقوفی ہے۔ بھلا یہ چھوٹے قد والے کو کس بات کا طعنہ دے رہا ہے؟ ایک ایسی چیز پر طعنہ دے رہا ہے جو اس کی اپنی ہے بھی نہیں۔ پہلی قسم کے تو یہ لوگ ہیں۔

دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کر ان پر فخر نہیں کرتے اور کسی کی تنقیص نہیں کرتے، کسی کا نقصان نہیں کرتے۔ ما شاء اللہ! یہ محفوظ لوگ ہیں۔

تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جن کو اللہ نے یہ نعمت دی ہے اور وہ اس پہ شکر کرتے ہیں۔ شکر کرنے کی وجہ سے اس چیز کے ملنے کا حق پورا پورا ادا کرتے ہیں اور اسے صحیح جگہوں پر استعمال کرتے ہیں۔ سبحان اللہ! یہ عارفین ہیں، یہ بڑے لوگ ہیں۔

تو یہ تین قسم کے لوگ ہیں۔ انسان اپنے آپ کو پہچانے کہ میں ان میں سے کس

قسم میں شامل ہوں اور اس کے حساب سے اپنا لائحہ عمل طے کرے۔

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر کسی کو اس چیز کی معرفت حاصل ہو جائے تو اس شخص کے ہاتھ سے جو بھی نیکی ہو گی، اگرچہ وہ اس نیکی کو اختیاری طور پر کرے گا، لیکن اسے ادراک ہو گا کہ اس نیکی کے اسباب غیر اختیاری ہیں، اور جب اسے اس بات کا ادراک ہو گا تو وہ اس کا اجر طلب نہیں کرنا چاہے گا۔ کیونکہ وہ جانتا ہو گا کہ اسے ذہن اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، توفیق بھی اللہ نے دی ہے،یقین بھی اللہ نے عطا فرمایا ہے، اچھا ماحول بھی اللہ نے دیا ہوا ہے، ان اسباب کی وجہ سے اگر اس نے ایک اچھا کام کر لیا تو کیا وہ اپنے آپ کو اجر کا مستحق سمجھے گا؟ ہر گز نہیں، بلکہ وہ کہے گا کہ یا اللہ یہ سب تو تیرے دیئے ہوئے اسباب کی وجہ سے ہے، میں تو اس پر شرمندہ ہوں کہ میں نے اس کو خراب ہی کیا ہو گا، جتنا مجھے کرنا چاہیے تھا میں نے اتنا نہیں کیا۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو شاکرین ہیں اور اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔ لہٰذا ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں۔

یہاں وہ بات قابل ذکر ہے جو حضرت خضر علیہ السلام نے کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے جو بھی عمل کیا، اس کے اجر کی کوئی بات دل میں نہیں رکھی۔ انہیں اللہ پاک نے دے دیا۔ اس کے ڈانڈے ایک اور چیز کے ساتھ بھی ملے ہوئے ہیں، وہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کے لئے آپ جو کچھ بھی کریں گے، اللہ تعالیٰ اسے بہت زیادہ کر کے لوٹائیں گے، کیونکہ اس کو کسی چیز کی کمی تو ہے نہیں۔ مثلاً ایک شخص اللہ کے راستے میں خیرات کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے مال کو بڑھا دیتے ہیں۔ جو شخص اپنی عزت اللہ تعالیٰ کے راستے میں داؤ پہ لگاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عزت کو بڑھا دیتے ہیں۔ جو تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے وقار کو بڑھاتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنی زندگی وقف کرتے ہیں، اپنی زندگی قربان کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیتے ہیں۔ جب ایسا ہے تو پھر اگر ہم اپنے آپ کو اللہ پاک کے سامنے کوئی مطالبہ کرنے کے قابل نہیں سمجھیں گے، تو اللہ ہمیں خود دے دے گا۔ بے شک ہم اس کے حکم کے مطابق اس سے دعا مانگیں گے لیکن اپنے آپ کو اس قابل نہیں

سمجھیں گے کہ ہم اس کے حق دار ہیں۔ بس اللہ کا حکم سمجھ کر دعا مانگتے ہیں لیکن ہم اپنے آپ کو اس کا حق دار نہیں مانتے، پھر اللہ تعالیٰ جو دے اس پر دل سے راضی اور شاکر رہتے ہیں۔ جب آپ نے اپنی اختیاری نیکیوں کا حساب نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے حساب دے دیا جائے گا۔ اگر خود مطالبہ کرو گے تو حساب ہو جائے گا اور حساب ہو گیا تو بہت تھوڑا ملے گا کیونکہ در اصل ہم کسی چیز کے حق دار بالکل نہیں ہیں۔ لہٰذا اگر اللہ پہ چھوڑ دیں گے اور کہیں گے کہ یا اللہ میرا کوئی حق نہیں، تُو اللہ ہے میں نے تیرے لئے کیا ہے اور تو ہی بادشاہ ہے، تو پھر اللہ پاک اتنا دے گا جس کا کوئی حساب نہیں ہو گا۔

ایک بات دل پہ وارد ہوئی ہے۔ میں ابھی عرض کر رہا تھا کہ جو شخص اپنی زندگی کو اللہ کے راستے میں لگاتا ہے، پھر میں نے کہا: قربان کرتا ہے۔ پہلے کہا تھا: لگاتا ہے، پھر کہا: قربان کرتا ہے۔ اللہ پاک کے لئے جان قربان کرنے کے بارے میں قرآن پاک کی نص بھی موجود ہے۔ فرمایا: ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾ (البقرۃ: 154)

ترجمہ: "اور جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوں ان کو مردہ نہ کہو، در اصل وہ زندہ ہیں مگر تم کو (ان کی زندگی کا) احساس نہیں ہوتا"۔

اپنی زندگی قربان کرنا اللہ تعالیٰ کے راستے میں زندگی لگانے کی ایک قسم ہے۔ جو اپنی زندگی کو اللہ کے راستے میں قربان کرتا ہے یعنی ایک ہی وقت میں خرچ کرتا ہے۔ اور کوئی مسلسل خرچ کرتا رہتا ہے تو کیا اس کے لئے یہ بشارت نہیں ہو گی؟ لازماً ہو گی۔ اس میں ایک اشارہ سا ہے کہ جو اللہ کے راستے میں اپنا سارا کچھ قربان کر دیں یعنی خرچ کر دیں، اپنے لئے کچھ نہ رکھیں، جان، مال، وقت اور اولاد سب کچھ خرچ کر دیں تو عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں شہیدوں سے بھی زیادہ اجر دے دے۔

متن:

اے میرے عزیز! جواں مردوں کے نزدیک اگر کوئی شخص کوئی عمل بھی نہ

کرے مگر وہ اُس شخص سے بہتر ہے جو عمل کر کے اُس کے اجر کی فکر اور لالچ میں ہو۔ "اَلْعَامَّةُ يَتُوْبُوْنَ مِنْ سَيِّاٰتِهِمْ وَالصُّوْفِيُّوْنَ يَتُوْبُوْنَ مِنْ حَسَنَاتِهِمْ" یعنی عام لوگ تو اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور صوفی حضرات اپنی نیکیوں سے توبہ کرتے ہیں۔ اے عزیز! اگرچہ اس دنیا میں نیکی اور بدی کی کئی قسمیں ہیں، مگر تمام نیکیوں کی بنیاد یہی ہے کہ کوئی دل تم سے خوش ہو جائے۔ مَردوں کو اس راستے میں ایسی گذر اوقات کرنی چاہیے کہ کسی وقت اُن سے کوئی چیونٹی بھی آزار نہ ہو۔ روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک چیونٹی پر غصہ ہوئے، تو چیونٹی نے کہا: "مَا هٰذَا الصَّوْتُ؟ أَمَا عَلِمْتَ أَنِّيْ عَبْدٌ لِّمَنْ أَنْتَ عَبْدُهٗ؟" "یہ غصہ اور دبدبہ کیسا؟ تم تو جانتے ہو کہ میں اُسی کا بندہ ہوں، جس کا تو بندہ ہے"۔

حضرت شیخ صاحب اہل فکر کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے، اور اہل فکر کی جماعت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ فکر مشتبہ اشیاء سے جان بچانا ہے، اور پاک دامنی کی دلیل ہے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ فکر دل کے صدق اور عمل کی مقبولیت کا معیار ہے۔ ہاں! فکر ایک آئینہ کی مانند ہے جس میں انسان اپنے اچھے اور برے اعمال کا عینی مشاہدہ کرتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے دنیا کی مخلوق کے بارے میں فکر کی، وہ گروہ جو کہ عدم کے گوشے میں ہے وہ میں نے اس گروہ سے بہتر حالت میں اور خوشی کے عالم میں پایا جو صحرائے وجود میں ہے۔ اہل معرفت کہتے ہیں کہ عاقل وہ شخص ہے کہ دس چیزوں کو دس چیزوں سے تبدیل کریں: بے صبری اور جزع و فزع کو صبر سے، اور نسیان اور بھولنے کو ذکر سے، کفر کو شکر سے، نافرمانی اور عصیان کو فرمانبرداری اور طاعت سے، کنجوسی اور بخل کو جود و سخا سے، شک کو یقین سے، ریاکاری کو اخلاص سے، اصرار اور بار بار گناہ کو توبہ سے، جھوٹ کو سچ اور غفلت کو تفکر سے۔ اے میرے عزیز! اہل نظر جس چیز کو بھی دیکھتے ہیں تفکر سے نگاہ کرتے ہیں۔ قطعہ:

خشبی فکر کارها درد
غافلان از بلا خدر نکنند

"نخشبی امور کی فکر کرتا ہے اور غافل لوگ مصائب اور بلاؤں سے خوف نہیں کھاتے"

آں عزیزاں کہ چشمِ دل دارند
جز تفکر بہ کس نظر نکنند

"وہ عزت مند لوگ جن کے دل کی آنکھیں کھلی ہوں، تفکر کے بغیر کسی پر نظر نہیں کرتے"

حضرت ہمیشہ فکر میں ڈوبے رہتے اور تفکر درجۂ عبادت سے اولی اور بہتر ہے۔ دائمی طور پر تفکر کرنا توحید اور معرفت کی اصل اور اساس ہے، اور فکر کی چار اقسام ہیں: "**فِكْرَةٌ فِيْ اٰيَاتِ اللهِ تَعَالٰى تَتَوَلَّدُ مِنْهَا الْمَعْرِفَةُ وَفِكْرَةٌ فِيْ أَمْرِ اللهِ تَعَالٰى تَتَوَلَّدُ مِنْهَا الْمَحَبَّةُ وَ فِكْرَةٌ فِيْ وَعْدِ اللهِ تَعَالٰى تَتَوَلَّدُ مِنْهَا الرَّهْبَةُ وَ فِكْرَةٌ فِيْ فَنَاءِ النُّفُوْسِ تَتَوَلَّدُ مِنْهَا الْحَيَاةُ**" یعنی آیات اللہ (اللہ کی نشانیوں) میں فکر کرنے سے معرفت پیدا ہوتی ہے اور امر اللہ (اللہ کے احکام اور افعال) میں فکر کرنے سے محبت جنم لیتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں میں فکر کرنے سے خوف پیدا ہوتا ہے۔ اور نفوس کی فنا میں فکر کرنے سے حیات اور زندگی پیدا ہوتی ہے۔ اے میرے عزیز! مخلوق میں تفکر کرنا جائز ہے مگر خالق میں تفکر کرنا جائز نہیں۔ اگر کوئی چاہے کہ ہر وقت مستی میں ڈوبا رہے تو اسے چاہیے کہ ہمیشہ عبودیت کے اثبات میں لگا رہے۔ اور اثباتِ ربوبیت کے بارے میں فکر و اندیشہ نہ کیا کرے۔

تشریح:

فکر کے بارے میں بات چل رہی ہے۔ سمجھنا چاہیے کہ انسان فکر کیسے کرتا ہے۔ فکر ذہن اور دل کا ایک مجموعی عمل ہے۔ اس میں دل بھی شامل ہے اور ذہن بھی شامل ہے۔ دل کی صفائی ستھرائی سے ذہن صحیح استعمال ہوتا ہے۔ پس صحیح لوگ جن کے دل کی آنکھیں کھلی ہوں ان کے اوپر حقائق کھلتے ہیں۔ ان حقائق کے کھلنے کی وجہ سے وہ ان میں غور کرتے ہیں۔ غور کرنے سے ان پر چیزیں مزید کھلتی ہیں۔ فکر کا درجہ عبادت سے زیادہ ہے۔ ایک لحظہ کی فکر کو ستر سال کی عبادت سے افضل بتایا گیا ہے۔ لہٰذا جو حضرات فکر کرتے ہیں ان کا مرتبہ بہت اونچا ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ سمجھنا

ضروری ہے کہ اِس فکر سے مراد کون سی فکر ہے۔ اس سے مراد وہ فکر ہے جو ذکر کے ساتھ ہو۔ اس فکر سے یہ چیز حاصل ہوتی ہے کہ دل کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ ذکر کے بغیر محض فکر سے یہ چیز حاصل نہیں ہوتی۔ ذکر کے بغیر انسان کا دل غافل ہوتا ہے، لہٰذا ایسا آدمی محض ذہن سے سوچتا ہے، اس میں دل کا دخل نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ذکر کرنے والے اور نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے۔ جس کا دل مردہ ہے وہ کیا فکر کرے گا؟ وہ حقیقی فکر نہیں کر سکتا۔ اس کی فکر دل سے ہو کے نہیں آ رہی، صرف ذہن سے ہو کے آ رہی ہے اور ایسی فکر فلسفہ بن جاتی ہے جس سے انسان خود بھی confuse (حیراں و سرگرداں) ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی شکوک و شبہات میں مبتلا کرتا رہتا ہے۔ جو مفکرین و مدبرین اہل اللہ نہیں ہیں، اللہ کے ولی نہیں ہیں، انہوں نے ہمیشہ اپنے آپ کو اور دوسروں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کیا ہے۔ چاہے وہ مسلمان مفکرین ہوں چاہے غیر مسلم مفکرین ہوں۔

علامہ اقبال مرحوم نے اپنی بہن کو جو آخری خط لکھا تھا، انہوں نے اس میں لکھا کہ کاش مجھے علم ہوتا تو میں اپنا وقت فلسفہ میں ضائع نہ کرتا۔

محض ذہن والا فلسفہ انسان کو شبہات میں مبتلا کرتا ہے کیونکہ اسے حقیقت نظر نہیں آ رہی ہوتی۔ حقیقت دل کے ذریعے نظر آئے گی۔ بے شک اس میں ذہن کے ذریعے ہی غور کریں۔ مثال سے سمجھیں اور اچھی طرح سنیں۔ یہ بہت اہم بات کر رہا ہوں۔ دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی میں سے کون سی زندگی ہر لحاظ سے زیادہ ہے؟ جواب ظاہر ہے کہ آخرت کی زندگی زیادہ ہے۔ آخرت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے زیادہ ہیں، آخرت کے عذاب و تکالیف دنیا کے عذاب اور تکالیف سے زیادہ ہیں، آخرت کی زندگی لمبی بھی ہے اور آخرت میں جو کچھ ملے گا، اچھا یا برا، وہ زیادہ بھی ہے۔ اب اگر کسی کا دل بیدار ہے تو ان الفاظ سے یہ بات نکل کر اس کے دل میں ایک حقیقت کی صورت میں آ جاتی ہے۔ الفاظ تو ہم بھی کہہ رہے ہیں، الفاظ کہنے میں ہم سب مشترک ہیں لیکن حقیقت کسی کسی پر کھلتی ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر مومن کوئی غلطی کرتا ہے تو اسے ایسا محسوس ہوتا

ہے جیسے پہاڑ اس پہ گر گیا ہے، جب تک وہ اللہ تعالیٰ سے رو رو کر معافی نہ مانگے اس وقت تک اس کو آرام نہیں آتا اور جب فاسق گناہ کرتا ہے تو ایسا سمجھتا ہے جیسے مچھر آگیا اور اس کو اڑا دیا۔ دونوں کے رویہ میں یہ فرق کس چیز کی وجہ سے ہے؟ ایمان کی وجہ سے ہے۔ ایمان کہاں پر ہوتا ہے؟ دل میں ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دل کا فعل ہے۔ اگر کسی کا دل بنا ہوا ہے تو اس کے اوپر آخرت کی چیزیں مستحضر ہوں گی۔ اس کے سامنے دنیا کی چیزوں کی حقیقت بھی کھلی ہو گی۔ اسے ادراک ہو گا کہ دنیا کتنی ہے اور آخرت کتنی ہے۔ نتیجتاً اس کی فکر آخرت کی زندگی کے لئے ہو گی۔

معلوم ہوا کہ وہی فکر انسان کو فائدہ دے سکتی ہے جو ذکر کے ساتھ ہو اور دل کی بیداری کے ساتھ ہو۔

﴿إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ O الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾

(آل عمران: 191-190)

ترجمہ: "بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات دن کے بارے بارے آنے جانے میں ان عقل والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔ جو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہوئے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے ہیں، اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور کرتے ہیں، (اور انھیں دیکھ کر بول اٹھتے ہیں کہ) اے ہمارے پروردگار! آپ نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ آپ (ایسے فضول کام سے) پاک ہیں، پس ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لیجیے"۔

فرمایا: ﴿فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ یہ "عذابِ نار" آخرت کا عذاب ہے۔ مشاہدہ میں یہاں کی چیزیں ہیں وہاں کی نہیں ہیں۔ یہاں کی ہیں لیکن اللہ پاک نے یہاں کی چیزوں میں غور و فکر کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ یہاں کی چیزوں میں غور و فکر کر کے کہتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں وہاں کے عذاب سے بچا۔ غور کریں کہ یہ سلسلہ یہاں سے وہاں کیسے پہنچا۔ فرمایا: ﴿الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ

فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿﴾
یعنی جو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہوئے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے ہیں، اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور کرتے ہیں، (اور انھیں دیکھ کر بول اٹھتے ہیں کہ) اے ہمارے پروردگار! آپ نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ آپ (ایسے فضول کام سے) پاک ہیں، پس ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لیجیے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو یہاں رہ کر ذکر اور فکر کے ذریعے سے اس حالت کو پالے اس کے لئے وہاں کی **کَالْعَیِنِ** (گویا کہ آنکھوں دیکھی) ہو جائے اس کی فکر بالکل مختلف ہو گی۔

میں بہت اچھی تقریر کر لوں اور میرے دل میں ہو کہ اس پر مجھے کوئی بہت زیادہ پیسے دے، یا میری بہت تعریف کرے۔ تو میری یہ فکر دنیاوی فکر ہے، کیونکہ میں جن چیزوں کے بارے میں سوچ رہا ہوں یہ دنیا کی چیزیں ہیں۔ لہذا یہ فکر معتبر نہیں ہے۔ اگر میری فکر وہاں (آخرت) کی ہو تو پھر مجھے اس کی پروا نہیں ہو گی، میں اس چیز سے مستغنی ہو جاؤں گا کہ کوئی یہاں میری تعریف کرتا ہے یا نہیں کرتا، کوئی مجھے اس پر پیسے دیتا ہے یا نہیں دیتا۔ نتیجتاً میں وہاں (آخرت) کا بن جاؤں گا۔

یہ تو ہو گئی پہلی صورت۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اگر میری فکر صحیح ہو گی تو میں آخرت کے لئے کام اس وجہ سے کروں گا کہ اللہ کا حکم ہے۔ اور میں اس پر کوئی صلہ نہیں مانگوں گا کیونکہ میں اپنی بندگی کو مستحضر رکھوں گا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں میرا اللہ پر کوئی حق نہیں ہے۔

حضرت مولانا اشرف سلیمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں رمضان شریف میں پانچ ختم قرآن ہوتے تھے۔ ان کے ہاں معمول تھا کہ دوران تراویح مخصوص وقفوں کے درمیان چائے پی جاتی تھی۔ جیسے یہاں خانقاہ میں آٹھ رکعت تراویح کے بعد پی جاتی ہے۔ حضرت مولانا اشرف سلیمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس کا انتظام ایک سال ہمارے ایک ساتھی ڈاکٹر سیال صاحب نے کیا تھا۔ عید کے بعد حضرت نے فرمایا: بھائی کتنا خرچ ہوا بتاؤ تاکہ میں دے دوں۔ انہوں نے کہا: حضرت خرچ کیا ہوا وہ تو پانی تھا جو میں نے پانی پلایا۔ حضرت نے بہت اصرار فرمایا مگر انہوں نے یہی کہا کہ وہ تو میں نے صرف

پانی پلایا، پانی کے پیسے کیسے لوں؟ غور کریں کہ یہ کیا چیز تھی؟ در اصل یہ بات تھی کہ اس کو پتا تھا کہ حضرت کا مجھ پر کتنا حق ہے۔ اسے اپنی وہ خدمت اس حق کے مقابلہ میں ہیچ نظر آ رہی تھی اس لئے وہ بجائے کچھ مانگنے کے شرمندہ ہو رہا تھا۔ یہ تو ایک اللہ کے ولی کے سامنے کا نظارہ ہے۔ کیا خیال ہے اگر ہم کوئی نیکی کریں تو ہمیں اللہ کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا چاہیے کہ یا اللہ جیسا حق تھا اور جیسا عمل تیری شان کے لائق ہے ویسا ہم نہیں کر سکے۔ یہی اصل چیز ہے اسی کو معرفت کہتے ہیں کہ کس منہ سے کہیں گے کہ یا اللہ میں نے یہ عمل کیا۔ اس کی بجائے یہ سوچ ہو کہ اے اللہ میں نے تو اس کو خراب ہی کیا ہو گا۔ اگر دل میں یہ خیال ہو گا کہ مجھ سے ٹھیک عمل نہیں ہو سکا تو ایسی صورت میں آدمی اللہ سے اور مانگے گا۔ مانگنے کی اجازت ہے، مانگنے کی ممانعت نہیں ہے۔ لیکن جب انسان کے اوپر اپنی عبدیت منکشف ہوتی ہے تو اجازت ہونے کے باوجود بھی وہ کچھ نہیں مانگ سکتا بلکہ اس پر شرمندہ ہوتا ہے۔ یہ معرفت ہے۔ بہر حال یہ بڑے لوگوں کی باتیں ہیں۔ اگر ہم مانگیں بھی تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ لیکن کم از کم ہم اتنا تو کر سکتے ہیں کہ اللہ پاک کو ویٹو پاور دے دیں۔ (نعوذ باللہ من ذلک) اللہ کے لحاظ سے یہ بہت چھوٹے لفظ ہیں لیکن محض سمجھانے کے لئے کہہ رہا ہوں کہ ہم اتنا تو کر سکتے ہیں کہ اللہ پاک کو ویٹو پاور دے دیں کہ جس دعا کو وہ قبول فرمانا چاہے قبول فرمائے، جس کو نہ چاہے قبول نہ فرمائے۔ اللہ کی مرضی پہ اعتراض نہ ہو، دل تنگ نہ ہو۔ اتنا تو کر ہی سکتے ہیں۔ عبدیت کی اتنی بات تو ہونی چاہیے۔ ہم مانگیں ضرور، مانگنے میں حرج نہیں ہے، مانگنے کی اجازت ہوتی ہے لیکن یہ بات کم از کم ہم سمجھ لیں کہ فیصلہ وہی کرے گا ہم نہیں کریں گے۔ اب اگر اس کے فیصلہ پر میرا دل تنگ ہو جائے کہ اس نے ایسا کیوں کر دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے عمل کو اللہ تعالیٰ کی عطا سے زیادہ سمجھ رہا ہوں۔ ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ اپنے عمل کو اللہ تعالیٰ کی عطا سے بڑا سمجھنا کتنی خطرناک بات ہے۔

چیونٹی نے یہی کہا کہ تو جانتا ہے میں اسی کا بندہ ہوں جس کا تو بندہ ہے۔ تو بادشاہ ہے لیکن تو بھی اس کا بندہ ہے میں چیونٹی ہوں لیکن میں بھی اس کا بندہ ہوں۔

حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو دس چیزوں کو دس چیزوں سے تبدیل کرے وہ عقل مند ہے۔ میں کہتا ہوں کہ واقعی درست بات ہے۔ ایک علمی عقل مند ہوتا ہے اور ایک عملی عقل مند ہوتا ہے۔ علمی عقل مند اور ہے عملی عقلمند اور ہے۔ علمی عقل مند تمام چیزوں کو معلومات کی حد تک جانتا ہو گا کہ یہ ٹھیک ہے اور یہ غلط ہے۔ یہ قال ہے۔ عملی عقل مند اس قال کو حال میں بدل دے گا اور جیسا ہونا چاہیے وہ خود اس طرح ہو جائے گا۔ مثلاً عملی طور پر صبر کے ذریعے جزع فزع کو ختم کرے۔ ذکر کے ذریعے سے غفلت و نسیان کو ختم کرے۔ شکر کے ذریعے سے کفر کو ختم کرے۔ ایسا آدمی عملی عقل مند ہو گا۔ فرمایا:

متن:

یعنی آیات اللہ (اللہ کی نشانیوں) میں فکر کرنے سے معرفت پیدا ہوتی ہے اور امر اللہ (اللہ کے احکام اور افعال) میں فکر کرنے سے محبت جنم لیتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں میں فکر کرنے سے خوف پیدا ہوتا ہے۔ اور نفوس کی فنا میں فکر کرنے سے حیات اور زندگی پیدا ہوتی ہے۔

تشریح:

بالکل صحیح فرمایا۔ جس نے اللہ کے لئے جتنی فنا اختیار کی، اللہ اس کو اتنی بقا عطا فرما دے گا۔ جو جتنا فنا ہوا اللہ نے اس کو اتنی بقا نصیب فرما دی۔ جو فانی فی اللہ ہو جاتا ہے وہ باقی باللہ بن جاتا ہے۔

متن:

اے میرے عزیز! مخلوق میں تفکر کرنا جائز ہے مگر خالق میں تفکر کرنا جائز نہیں۔ اگر کوئی چاہے کہ ہر وقت مستی میں ڈوبا رہے تو اسے چاہیے کہ ہمیشہ عبودیت کے اثبات میں لگا رہے۔

تشریح:

عبدیت کا رنگ صبغۃ اللہ ہے، یعنی اللہ کا رنگ۔

متن:

قطعہ:

نخشبی کہنہ وحدتش کہ رسد
چہ شوی واسطہ کہ مہ گوید
مشرک از سر وحدتش برسد
وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ گوید

حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو عشق و محبت کے درد کی وجہ سے اتنا غم و اندوہ اور حزن و ملال ہوتا تھا کہ دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ماتم زدہ ہیں۔ "قَالَ النَّبِیُّ عَلَیۡهِ السَّلَامُ: أَقۡرَبُ النَّاسِ إِلَى اللهِ تَعَالٰى یَوۡمَ الۡقِیَامَةِ مَنۡ طَالَ حُزۡنُهٗ" (إحیاء العلوم بتغییر قلیل، کتاب کسر الشہوتین، رقم الصفحۃ: 3/81، دار المعرفۃ، بیروت) "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے قریب ترین وہ شخص ہو گا جس کا حزن زیادہ ہو" کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ حزن کیا چیز ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ "اَلۡحُزۡنُ جُزۡءُ الرُّوۡحِ إِذَا کَانَ لِأَجۡلِ الۡحَقِّ وَسُرُوۡرُ الۡقَلۡبِ إِذَا کَانَ لِأَجۡلِ الۡخَلۡقِ" یعنی حزن روح کا ایک حصّہ ہوتا ہے جب یہ حق کے لیے ہو، اور دل کی خوشی اور سرور ہوتا ہے جب یہ مخلوق (خلق) کے لیے ہو۔ اے میرے عزیز! جس دن تونگر اور مالدار سے غم و اندوہ کو ہٹایا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ "اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ أَذۡهَبَ عَنِّی الۡحُزۡنَ" یعنی حمد ہے اس ذات پاک اللہ تعالیٰ کی جس نے ہم سے رنج کو ہٹایا۔ اور یہی دعا فقیر کہتا ہے جب اس سے خوشی چھین لی جائے۔

تشریح:

یہ وہی فنا والی بات کی طرف اشارہ ہے۔ فنا اور بقا کو سمجھیں۔ یہ فرق ہے چیزوں کو own (اپنی مِلک) اور disown (غیر مِلک) کرنے کا۔ اگر میں تمام چیزوں کو own کرتا ہوں کہ یہ میری ہیں، اور اس وجہ سے میں باقی لوگوں سے نفرت کرتا ہوں کہ کہیں مجھ سے چھین نہ لیں، اس چیز پہ قبضہ جماتا ہوں۔ یہ چیزوں کو own کرنا ہے،

اپنے آپ کو چیزوں کا مالک سمجھنا ہے، اس کے برعکس اگر میں اپنے آپ کو اپنا بھی مالک نہیں سمجھتا تو یہ disown کرنا ہے۔ جو اپنے آپ کو فنا کرتا ہے وہ دنیا کی عارضی خوشی کو چھوڑتا ہے. دنیا کی خوشی اور راحت و آرام تو دل کا حزن ہے، روح کی پریشانی ہے. اس لئے فرمایا: "**اَلْحُزْنُ جُزْءُ الرُّوْحِ**" روح کی خوشی دنیا کی خوشی سے کنارہ کش ہونے میں ہے۔ روح اور نفس ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ نفس کی خوشی سے کنارہ کش ہونا روح کی خوشی ہے اور نفس کا حزن روح کا خوش ہونا ہے۔ دنیا دار آدمی کے نفس کو جب خوشی حاصل ہوتی ہے تو وہ کہتا ہے "**اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَذْهَبَ عَنِّی الْحُزْنَ**" جبکہ دین دار اور اللہ والے کو جب روح کی خوشی ملتی ہے تب وہ یہ کہتا ہے۔ لہٰذا روح کی خوشی تب ملتی ہے جب نفس کی خوشی چھین لی جاتی ہے۔ سبحان اللہ یہ بہت بڑا علم ہے کہ نفس کی خوشی چھوڑ دی جائے تو روح کی خوشی ملتی ہے اور مومن "**اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَذْهَبَ عَنِّی الْحُزْنَ**" کہتا ہے۔

متن:

دونوں جہانوں کی قیمت سے محبت کے راستے درد مندوں کا نالہ و فریاد زیادہ قیمتی ہے۔ "**إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ قَلْبًا حَزِيْنًا**" اللہ تعالیٰ قلبِ حزین یعنی غم آلودہ دلوں کے ساتھ محبت کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ درد مند سالک جو راستہ ایک دن میں طے کرتا ہے، وہی راستہ بے درد سالک ایک ماہ میں طے کرتا ہے۔

تشریح:

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

متن:

پس ہر زمانے میں ایک اندوہ گیں اور غمزدہ ہوتا ہے کہ تمام دنیا اس کے درد کی پناہ میں زندگی بسر کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اوصاف عالیہ میں سے ایک یہ تھا کہ وہ متواصل الحزن اور دائم الفکر تھے۔ ایک دفعہ دو شخص آپس میں بحث و مباحثہ اور

منازعت کرتے تھے، ایک کہتا تھا: "**مَنْ عَرَفَ اللهَ تَعَالٰی زَالَتْ أَحْزَانُهُ**" یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا تو اُس کے غم اور حزن سب زائل ہو گئے اور دوسرا کہتا تھا کہ "**مَنْ عَرَفَ اللهَ تَعَالٰی طَالَتْ أَحْزَانُهُ**" یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کی اُس کے غم بڑھ گئے۔ خواجہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو کہا کہ اے فرزند! تو مجھے یاد کرتا ہے؟ میرے سینے کے تنور میں شوق و اندوہ (حزن) کی آگ بھڑکائی گئی ہے، تم نہیں جانتے کہ ہوا سے آگ زیادہ بھڑک اٹھتی ہے۔ حزن کا یہ راز اور رمز اُس کا حصّہ تھا۔ اے میرے عزیز! محبت اور الفت سے بڑھ کر کوئی اندوہ اور غم ایسا نہیں جو کہ اُس سے زیادہ فرحت افزا اور راحت آمیز ہو۔ ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ دس سال تک میں پانی کے آنسو روتا رہا۔ اور دس سال تک خون کے آنسو روتا رہا، اور دس سال ہوئے کہ میں ہنستا ہوں۔ قطعہ:

شادمانی اندوہ است
دل جز ایں شادمانی طلب نہ کند

آنچہ اندوہ کرد در دل من
در دل دیگرے طرب نہ کند

"دردِ محبت اور غمِ عشق میں سراپا خوشی اور شادمانی ہے، اور دل کو اُس کے سوا کوئی خواہش نہیں۔ یہی غم و اندوہ (محبت) میرے دل میں جو کچھ کرتا ہے، وہ خوشی اور طرب دوسروں کے دلوں میں نہیں کرتا"

تشریح:

میں آپ کو ایک بات بتاؤں۔ یہ باتیں ہم شاعروں کی شاعری میں دیکھتے ہیں وہ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ لیکن وہ زیادہ تر بے موقع باتیں کرتے ہیں۔ وہ جن کے لئے یہ باتیں کرتے ہیں ان پر یہ چیزیں صادق نہیں آتیں۔ ان کے ساتھ صرف ایک کاغذی سا تعلق ہے۔ جو لا فانی کے ساتھ محبت کرتا ہے ان کا درد واقعی درد ہوتا ہے۔ میرؔ بھی کہتا ہے:

جو اس شور سے میر روتا رہے گا
تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہے گا

شاعر بھی غم کی باتیں کرتا ہے لیکن وہ دنیاوی محبت کے غم کی باتیں کر رہا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں تڑپ رہا ہے اس کی بات الگ ہے۔

متن:

"دردِ محبت اور غمِ عشق میں سراپا خوشی اور شادمانی ہے، اور دل کو اُس کے سوا کوئی خواہش نہیں۔ یہی غم و اندوہ (محبت) میرے دل میں جو کچھ کرتا ہے، وہ خوشی اور طرب دوسروں کے دلوں میں نہیں کرتا"

حضرت صاحب عشاقان حق کے زمرہ میں سے تھے۔ اور ایک سوختہ دل عاشق تھے۔ ابیات:

باز تر آمد زجان نعرۂ غوغا ز عشق
باز ازاں کوہ قاف آمدہ عنقائے عشق

سینہ کشادہ سنت فقر جانب دلہائے پاک
در شکم طور بیں طنطنہ ہائے عشق

عشق ندائے بلند کرد بآواز پست
گفت کہ بالائے عرش کنگر بالائے عشق

"روح کے اندر سے عشق کی وجہ سے ایک نعرہ بلند ہوا۔ یعنی کوہِ قاف کی بلندیوں سے عشق کا عنقا بر آمد ہوا۔ فقر نے اپنا سینہ پاک دلوں کے لیے کشادہ کیا ہے۔ کوہ طور کے پیٹ میں عشق کے طنطنے دیکھ لو۔ عشق نے نیچی آواز سے آواز بلند کر کے نعرہ لگایا کہ عرش کی بلندیوں پر عشق کا منارہ بلند کیا گیا ہے"

پس اے میرے پیارے! لیلیٰ کا جمال مجنون کے عشق سے کہتا ہے کہ اے مجنون

کے عشق! اگر میں غمزہ کروں، یعنی آنکھ کا اشارہ کروں تو لاکھوں مجنون صفت لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔ اور ہمارے غمزے، اور آنکھ کے اشارے کے شہید ہو جائیں گے، تو مجنون کا عشق بھی جواب میں کہتا ہے کہ اگرچہ تمہارا غمزہ مجنون کو فنا کرتا ہے، مگر تمہارا وصال و لطف اُس کو عالم بقا تک پہنچاتا ہے۔ اور ہر گھڑی اور ہر آن اُس کو مقام ارفع و اعلیٰ میں نوازتا ہے۔ ابیات:

وصل تو گنج ست پنہاں ہم از خود
ہر کہ فانی شد ز خود مردانہ است
گو مرا در عشق خود فانی کنی
باقیت ہر جان خود شکرانہ است

"تمہارا وصال ایک ایسا خزانہ ہے جو کہ خود ہم سے بھی پوشیدہ ہے۔ جو کوئی عشق میں فانی ہوا وہ مرد ہے۔ اگر تم مجھے اپنے عشق میں فانی کرو گے تو ہماری جان اس نوازش عالی کے لیے شکرانہ ہے"

پس اے برادرِ عزیز! عشق کا متوالا بنا رہ کہ عشق کے محرم لوگ خود جانتے ہیں کہ عشق کی ایک حالت ہوتی ہے۔ نا اہل لوگوں کے لیے عشق ملامت اور بیماری کا سبب ہوتا ہے۔ عشق کی خلعتِ فاخرہ ہر کسی کو نہیں پہنائی جاتی نا مردوں اور مخنث ہیجڑوں کا عشق سے کیا واسطہ۔ بیت:

تا نباشد ہم چوں موسیٰ عاشقے
ہر عصا در دست ثعبان کے شود
در کف گل کاں چ وجود آدمی ست
آنچناں خورشید پنہاں کے شود

"اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح عاشق نہ ہو تو ہر عصا اور چھڑی ہاتھ میں کب سانپ بن جاتی ہے۔ اس مٹھی بھر خاک میں جو کہ انسان کا وجود اور جسم ہے۔ اس طرح کا سورج کب اور کیسے چھپا اور پوشیدہ ہو جاتا ہے؟"

پس اے برادرِ عزیز! جو عشق کرنے کے قابل ہے وہ اعلیٰ مقام کے قابل ہوتا ہے

اور جو کوئی عشق کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا، وہ مقام عزت میں پذیرائی حاصل نہیں کر سکتا، چنانچہ ایک بزرگ نے نہایت اچھی بات فرمائی ہے کہ اے عاجز! اگر تو عشق کرنے کا خیال اور حوصلہ نہیں رکھتا، پس نادانی اور حماقت اختیار کر، کیونکہ "**أَكْثَرُأَهْلِ الْجَنَّةِالْبُلْهُ**" (اِحیاء العلوم، ربع المھلکات، بیان معنی النفس و الروح و القلب و العقل، رقم الصفحۃ: 3/23، دار المعرفۃ، بیروت) "جنت والوں میں اکثریت نادانوں کی ہے" جنت طلب کرنے والے کو سرور عالم سید الکونین ﷺ نے ابلہ اور نادان کہا ہے۔ بھلا جو کوئی کہ دُر و گوہر اور لعل و جواہرات کے لیے لایا گیا ہے وہ خرمروں اور کوڑیوں پر قناعت کرے، آخر اس سے بڑی نادانی کیا ہو سکتی ہے؟

حضرت حق ہست دریائے قدیم

قطرۂ خورد است جنات النعیم

چوں بدریا مے توانی راہ یافت

سوئے یک شبنم چرا باید شافت

"اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ایک عظیم و قدیم سمندر ہے، اور جنات النعیم اور ساری جنتیں اُس کے آگے ایک چھوٹا سا قطرۂ آب ہے۔ جب تم دریا کے پاس جا سکتے ہو، تو شبنم کے ایک قطرے کے لیے کیوں دوڑ دھوپ میں لگے ہو؟"

تشریح:

یعنی جب تم دریا تک جا سکتے ہو، اللہ نے وہاں تک جانے کا راستہ دیا ہے تو باقی چیزیں بھی اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں ہیں۔

یہ مشکل مضمون ہے لیکن سمجھنے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔ دیکھیں ذائقہ زبان کی صفت ہے، خوبصورت آواز شناخت ہے، یہ کان کی صفت ہے، خوبصورت خیال دماغ کی صفت ہے اور خوبصورت کلام زبان کی صفت ہے۔ یہ تمام چیزیں فانی ہیں۔ اگر اللہ توفیق دے تو ہم ان سے مزے لیتے ہیں۔ یہ مزے دنیا کے بھی ہوتے ہیں، یہ مزے جنت کے

بھی ہوتے ہیں۔ دنیا کے مزوں کو چھوڑنے والے اور جنت کے مزوں کو حاصل کرنے والے زیادہ ہوشیار ہیں۔ ان کے لئے چیزیں استعمال ہو رہی ہیں۔ روح بھی لا فانی ہے۔ اللہ جل شانہ کی ذات کا ادراک، اللہ جل شانہ کی محبت اور اللہ جل شانہ کے قرب سے لطف اندوز ہونا روح کا عمل ہے۔ جس کا نفس جتنا زندہ ہے، وہ نفس سے مغلوب ہو کر سوچتا ہے لہذا وہ ان خوشیوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جن سے نفس خوش ہوتا ہے۔ نفس کو دنیا کی چیزیں زیادہ عزیز ہیں۔ دنیا میں جو کوئی نفس کی خواہش پوری کرتا ہے تو اسے دنیا کی چیزیں ملتی ہیں لیکن اگر کوئی نفس کی خواہش کو پورا نہ کرے اور آخرت میں جنت کی لذات لے لے تو وہاں کی خوشیاں بھی انسان کو اس کے حواسِ خمسہ کے ذریعے ملیں گی، اور جو ان تمام حواس کی اصل اور نچوڑ ہے یعنی روح، اس کو اللہ کے ساتھ جو تعلق نصیب ہو جاتا ہے، جو لذتِ قرب ملتی ہے اسے آپ آنکھ سے نہیں محسوس کر سکتے، کان سے محسوس نہیں کر سکتے، زبان سے محسوس نہیں کر سکتے، سوچ سے محسوس نہیں کر سکتے وہ صرف روح ہی کا ایک کرشمہ ہے۔ جو حضرات اللہ تعالیٰ کے عُشّاق ہوتے ہیں وہ روح کے تقاضوں پہ چل رہے ہوتے ہیں۔ اس لئے میں نے کہا کہ یہ مشکل مضمون ہے، آسانی سے نہیں سمجھا جا سکتا۔

یہاں یہ فرمایا کہ انسان جو کچھ جنت میں حاصل کرتا ہے یہ اللہ جلّ شانہ کے سامنے بس ایک قطرۂ آب ہے، جنتوں کے اندر جو کچھ مزے ہیں وہ اللہ پاک کے دیدار اور اللہ جلّ شانہ کے قرب کے مقابلہ میں ایک قطرہ ہیں۔ جو جنت پہ قانع ہو گئے تو وہ اس قطرہ پہ قانع ہو گئے، ان کی پرواز یہاں تک ہی ہے۔ لیکن جو اس سے آگے ہے وہ مرد ہے۔ جو جنت کی نعمتوں کو بھی اللہ تعالیٰ کے قرب کے مقابلہ میں ہیچ سمجھے وہ اصل مرد ہے۔

اللہ جلّ شانہ نے ہمیشہ مخلوق کے مقام کے مطابق کلام فرمایا ہے، اپنے مقام کے مطابق نہیں فرمایا۔ اگر ایسا ہوتا تو مخلوق اس کو سمجھ ہی نہ سکتی۔ اس وجہ سے حکم دیا کہ مجھ سے جنت مانگو تاکہ سارے لوگ اس میں آ جائیں۔ لیکن عارفین اس سے آگے کا سوچتے ہیں۔ وہ یہ سوچتے ہیں کہ ہمیں جنت مانگنے کی اجازت تو ہے لیکن یہ اُس اصل

کے سامنے کچھ بھی نہیں۔ پھر وہ اللہ کو طلب کرتے ہیں۔

حضرت خواجہ سدید الدین حذیفہ مرعشی ؒ جن کا نام ہمارے شجرہ میں موجود ہے، امام شافعی ؒ کے شیخ ہیں۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے جنت ان کے سامنے کر دی۔ انہوں نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا: اے اللہ! اگر یہ میری ساری عمر کی محنت کا نتیجہ ہے تو میں نے اپنی زندگی ضائع کر دی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جنت کو ہٹایا اور ان پر اپنی تجلی فرمائی۔ اسی تجلی کے دوران ان کی روح اللہ تعالیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔ یہ میں کسی عام کتاب کا حوالہ نہیں بتا رہا بلکہ حضرت مولانا زکریا صاحب ؒ کی کتاب "تذکرہ مشائخ چشت" میں یہ واقعہ مرقوم ہے۔کیونکہ حضرت خواجہ سدید الدین حذیفہ مرعشی ؒ چشتیہ سلسلہ کے بڑے حضرات میں سے ہیں۔

متن:

ہر کہ داند گفت با خورشید راز
کے تواند ماند با یک ذرہ باز

ہر کہ کل شد ذرہ را با اوچہ کار
چونکہ جان شد عضو را با اوچہ کار

تشریح:

"جو کوئی سورج کو اپنا رازداں بنا کر اپنا راز کہہ سکتا ہے تو اس کو ایک ذرہ کو بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

تشریح:

اس فقرے میں بھی بہت کچھ ہے۔ ہم لوگوں کو اگر کوئی حال حاصل ہو جائے اور ہم ہر ایک شخص کو کہتے پھریں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اس کی قدر نہیں ہے، اسی لیے تو سب کے سامنے بیان کرتے پھرتے ہیں۔

متن:

جو کوئی "کُل" ہو جائے تو ذرے کا اُس سے کیا کام؟ اور جب جان ہو جائے تو ایک عضو کا اس سے کیا واسطہ؟"

اے پیارے بھائی! جنت کی طلب میں ایک دنیا اُمنڈ آئی ہے اور ایک آدمی بھی عشق کا خواہاں نظر نہیں آتا، یہ اس لیے کہ جنت نفس اور دل کی خواہش کا مقام ہے اور عشق روح کی جائے قیام ہے۔

تشریح:

امید ہے اب بات سمجھ آ رہی ہے۔ یہ الہامی مضامین ہیں۔ ورنہ میں نے یہ پہلے پڑھا ہوا نہیں تھا، ساتھ ساتھ ہی پڑھ رہا ہوں لیکن الہامی طور پر اللہ پاک نے میری زبان سے یہ مضامین ادا کروا دیئے۔

متن:

حقیقت میں ہزاروں لوگ خرمرہ اور کوڑی کے خواہاں ہیں، مگر ایک آدمی بھی دُر و گوہر کا طلب گار نہیں۔ کیونکہ عشق تو جان کے وصال کا واسطہ اور ذریعہ ہے اور ہر کس و ناکس کو اس کی ہمت کیونکر ہو سکتی ہے۔ مثنوی:

عشق جمال جاناں دریائے آتشین است
گر عاشقی بسوزی زیرا کہ روئی ایں است

تور درہ چنانی زیر آنکہ مردں را
اول قدم دریں رہ بر چرخ ہفتمین است
کار قوی ست عالی اندر رہ حقیقت
در ہر ہزار سالے یک مرد راہ بین است

تشریح:

ایک ہزار سال میں کوئی ایک مرد آدمی پیدا ہوتا ہے جو راستے کو جانتا ہے۔

در ہزار سالے یک مرد راہ بین است

متن:

"معشوق کے حُسن و جمال کی محبت آگ کا دریا ہے، اگر تم عاشق ہو تو تم ضرور جل اُٹھو گے، کیونکہ اُصول یہی ہے تم ایسے راھرو ہو اور اس طرح کے راہرو مسافروں کا پہلا قدم ساتویں آسمان پر ہوتا ہے۔ راہِ حقیقت قوی اور عالی ظرف لوگوں کا کام ہے، اس لیے کہیں ہزاروں سالوں میں کوئی راہ شناس آدمی پیدا ہوتا ہے"

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: "إِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا وَّعَشِقَ عَلَيْهِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَبْدِىْ أَنْتَ عَاشِقِيْ وَمُحِبِّيْ فَأَنَا عَاشِقٌ لَّكَ وَمُحِبٌّ لَّكَ" "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا" (شرح تمہیدات، رقم الصفحۃ: 198، طبع حیدر آباد دکن، سنہ 1364ھ) "جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے ساتھ محبت اور عشق کرے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندے! تم میرے عاشق اور محبت کرنے والے ہو، تو میں بھی تمہارا عاشق اور محبت کرنے والا ہوں۔ اے ہمارے خدا ہمیں یہ نصیب فرما"

تشریح:

ہمارا اسی مضمون کا ایک کلام ہے جو میرے خیال میں کافی لوگوں کو ھضم نہیں ہو سکتا۔ وہ سنا دیتا ہوں۔

پلا ساقی ہم کو شرابِ محبت
کہ ہم نے ہے کھولی کتابِ محبت
فضائل کے قصے نہ زاہد سے سننا
اسے کیا ہے معلوم ثوابِ محبت
قیامت میں معلوم ہو گا پھر اس کو
کہ ملتا کیا ہے جوابِ محبت
کتابوں میں ملتا کہاں ہو گا جو ہے
طریقِ محبت نصابِ محبت
غزل ہائے شبیرؔ کو سننا ہے شوق سے
نہیں ہے بس اک یہ ہے بابِ محبت

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

پہلی قسط

توضیح المعارف

روح و روحانیت اور اس کے مراتب

حجۃ اللہ البالغہ کے پانچویں باب میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

اللہ جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۖ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (بنی اسرائیل: 85)

ترجمہ: "اور (اے پیغمبر) یہ لوگ تم سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ: روح میرے پروردگار کے حکم سے (بنی) ہے۔ اور تمہیں جو علم دیا گیا ہے وہ بس تھوڑا ہی سا علم ہے۔"۔

اعمش نے بروایت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ "وَمَا أُوتِيتُم" کی جگہ "وَمَا أُوتُوا" بصیغۂ غائب پڑھا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کو تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔ پس یہاں سے صاف معلوم ہوا کہ یہ کلام ان یہودیوں کے مقابلہ میں ہے جو آپ سے حقیقتِ روح دریافت کرتے تھے۔ (احقر عرض کرتا ہے کہ اگر "وَمَا أُوتِيتُم" بھی پڑھا جائے تو اگر "وَمَا أُوتِيتُم" کو "قُلِ الرُّوحُ" کا تسلسل سمجھا جائے تو جیسے "الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي" یہودیوں کو خطاب ہے تو "وَمَا أُوتِيتُم" بھی ان ہی کو خطاب ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم) اور اس آیت سے صاف طور پر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ امتِ مرحومہ میں سے کسی کو روح کی حقیقت معلوم ہی نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ جس چیز سے بھی شارع نے سکوت اختیار کیا ہو، اس کا علم ہونا کسی کے لئے ممکن ہی نہ ہو، بلکہ بسا اوقات بعض چیزوں کے بیان سے اس لئے سکوت اختیار کیا گیا کہ وہ دقیق الفہم ہیں، ہر شخص ان کو نہیں سمجھ سکتا، چاہے کوئی ان کو سمجھ بھی سکتا ہو۔ (یعنی ان چیزوں کو جن چیزوں سے شارع نے سکوت اختیار کیا ہے۔ صرف یہ نہیں بلکہ

اس کی ایک دلیل؛ احادیث شریفہ کی تدوین اور فقہ کی تدوین بھی ہے جو کہ آپ ﷺ کے وقت میں نہیں بلکہ بعد میں ہوئی اور علم کلام کی تدوین تو حسبِ ضرورت اور بھی بعد میں ہوئی ہے)۔

خط کشیدہ حصہ؛ حضرت رحمہ اللہ کی وہ تحریر ہے جس نے اس موضوع پر سوچنے اور سمجھنے کا راستہ کھول دیا۔ خود حضرت رحمہ اللہ نے بھی اس موضوع پر حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا اور بعد میں شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے اس کو مزید بڑھایا اور عبقات میں اس موضوع پر لکھا۔ اس موضوع سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے یہ کتاب ہے۔

انسان روح و نفس کا مرکب ہے۔ جس طرح نفس کے تقاضوں پر عمل کرنے سے جو احوال پیدا ہوتے ہیں، وہ نفسانیت کہلاتی ہے، اسی طرح روح کے تقاضوں پر عمل کرنے سے جو احوال و مقامات پیدا ہوتے ہیں، وہ روحانیت کہلاتی ہے۔ بقول حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ روح اللہ تعالیٰ کی عاشق تھی لیکن جب جسم میں منتقل ہوئی تو نفس نے اس کو اپنے تابع کر لیا۔ اس لئے جب ذکر و فکر سے روح میں نفس سے آزادی کی طلب پیدا ہو جاتی ہے تو روح آزاد ہونے کی کوشش کرتی ہے لیکن نفس اس کو نہیں چھوڑتا۔ روح و نفس کی اس کشمش میں نفس سے روح کو آزاد کرنے کی جو کوشش ہے جو کہ ایک محنت ہے اور اس کے ذریعے نفسانیت سے چھٹکارا حاصل کیا جاتا ہے، یہی روحانیت کے حصول کا ذریعہ ہے، جس کو سیر الی اللہ بھی کہا جاتا ہے یعنی نفس کے اثر سے نکل کر اللہ کا بننا۔ اس کا لازمی نتیجہ عبدیت ہے جو کہ بندے کی معراج ہے۔ اس سے آگے مراتب ہوتے ہیں جو سالکین کی طبیعتوں کے اختلاف سے مختلف ہو جاتے ہیں۔ اس کتاب میں ان مراتب کی کافی تفصیل دی گئی ہے۔

اللہ سے دعا ہے کہ حسنِ نیت کی توفیق عطا فرما کر اس کام کو خلوص کے ساتھ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کام کو اُمت کے لئے مفید بنا کر ہمارے لئے صدقہ جاریہ کے طور پر قبول فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

سید شبیر احمد کاکاخیل حال خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ، راولپنڈی

روح جسم ہے یا جوہرِ مجرد؟ اس بارے میں علماء و حکماء کا اختلاف قدیم زمانے سے چلا آتا ہے۔ شیخ عبد الرؤف منادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں حکماء کے اقوال ایک ہزار تک پہنچے ہیں مگر سب قیاسات اور تخمینے ہی ہیں، کسی کو یقینی نہیں کہا جا سکتا۔ امام غزالی، امام رازی اور عموماً صوفیاء اور فلاسفہ کا قول یہ ہے کہ روح جسم نہیں بلکہ جوہرِ مجرد ہے، امام رازی نے اس پر بارہ دلائل پیش کئے ہیں۔ مگر جمہور علماءِ اُمت روح کو ایک جسمِ لطیف قرار دیتے ہیں۔ نفخ کے معنی پھونک مارنے کے ہیں، اگر بقول جمہور روح کو جسمِ لطیف قرار دیا جائے تو اس کو پھونکنا ظاہر ہے اور جوہرِ مجرد مان لیا جائے تو پھونکنے کے معنی اس کا بدن سے تعلق پیدا کر دینا ہو گا۔ (بیان القرآن)

روح اور نفس کے متعلق حضرت قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق:

حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر "تفسیر مظہری" میں فرماتے ہیں کہ روح کی دو قسمیں ہیں، علوی اور سفلی، روحِ علوی مادہ سے مجرد اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے جس کی حقیقت کا ادراک مشکل ہے، اہلِ کشف کو اس کا اصل مقام عرش کے اوپر دکھائی دیتا ہے کیوں کہ وہ عرش سے زیادہ لطیف ہے اور روحِ علوی بنظرِ کشفی اوپر نیچے پانچ درجات میں محسوس کی جاتی ہے، وہ پانچ درجات یہ ہیں: قلب، روح، سِر، خفی اور اخفیٰ۔ یہ سب عالمِ امر کے لطائف میں سے ہیں جس کی طرف قرآن کریم نے اشارہ فرمایا ہے: ﴿قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ﴾ (بنی اسرائیل: 85)

اور روحِ سفلی وہ بخار ہے جو بدنِ انسانی کے عناصرِ اربعہ یعنی آگ، پانی، مٹی اور ہوا سے پیدا ہوتا ہے اور اسی روحِ سفلی کو نفس کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس روحِ سفلی کو جسے نفس کہا جاتا ہے، ارواحِ علویہ مذکورہ کا آئینہ بنا دیا ہے جس طرح آئینہ جب آفتاب کے مقابل کیا جائے تو آفتاب کے بہت بعید ہونے کے باوجود اس میں آفتاب کا عکس آ جاتا ہے، روشنی کی وجہ سے وہ بھی آفتاب کی طرح چمک اٹھتا ہے اور آفتاب کی حرارت بھی اس میں آ جاتی ہے جو کپڑے کو جلا سکتی ہے، اسی طرح ارواحِ علویہ اگرچہ اپنے مجرد ہونے کی وجہ سے بہت اعلیٰ و ارفع اور

بہت مسافتِ بعیدہ پر ہیں مگر ان کا عکس اس روحِ سفلی کے آئینہ میں آکر ارواحِ علویہ کی کیفیات و آثار اس میں منتقل کر دیتا ہے اور یہی آثار جو نفوس میں پیدا ہو جاتے ہیں، ہر ہر فرد کے لئے ارواحِ جزئیہ کہلاتے ہیں۔

پھر اس روحِ سفلی (جس کو نفس کہتے ہیں، اپنی ان کیفیات و آثار کے ساتھ جن کو ارواحِ علویہ سے حاصل کیا ہے) کا تعلق بدن انسانی میں سب سے پہلے مضغہ قلبیہ سے ہوتا ہے اور اس تعلق ہی کا نام حیات اور زندگی ہے، روحِ سفلی کے تعلق سے سب سے پہلے انسان کے قلب میں حیات اور وہ ادراکات پیدا ہوتے ہیں جن کو نفس نے ارواحِ علویہ سے حاصل کیا ہے، یہ روحِ سفلی پورے بدن میں پھیلی ہوئی ہے، باریک رگوں سے سرایت کرتی ہے جن کو شرائین کہا جاتا ہے اور اس طرح وہ تمام بدنِ انسان کے ہر حصہ میں پہنچ جاتی ہے۔

روحِ سفلی کے بدنِ انسانی میں سرایت کرنے ہی کو نفخِ روح سے تعبیر کیا گیا ہے کیوں کہ یہ کسی چیز میں پھونک بھرنے کے بہت مشابہ ہے۔

آیتِ مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے روح کو اپنی طرف منسوب کر کے ﴿مِنۡ رُّوۡحِیۡ﴾ اس لئے فرمایا ہے کہ تمام مخلوقات میں روحِ انسانی کا اشرف و اعلیٰ ہونا واضح ہو جائے کیوں کہ وہ بغیر مادے کے محض امرِ الہیٰ سے پیدا ہوئی ہے۔ نیز اس میں تجلیاتِ رحمانیہ کے قبول کرنے کی ایسی استعداد ہے جو انسان کے علاوہ کسی دوسرے جاندار کی روح میں نہیں ہے۔

انسان کی پیدائش میں اگرچہ غالب عنصر مٹی کا ہے اور اسی لئے قرآن عزیز میں انسان کی پیدائش کو مٹی کی طرف منسوب کیا گیا ہے، لیکن در حقیقت انسان دس چیزوں کا جامع ہے، جن میں سے پانچ چیزیں عالمِ خلق کی ہیں اور پانچ عالمِ امر کی، عالمِ خلق کی پانچ چیزیں؛ چار عناصر یعنی آگ، پانی، مٹی، ہوا اور پانچویں چیز ان چاروں عناصر سے پیدا ہونے والا بخارِ لطیف ہے، جسے روحِ سفلی یا نفس کہا جاتا ہے اور عالمِ امر کی پانچ چیزیں وہ ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے یعنی قلب، روح، سِر، خفی اور اخفیٰ۔

اسی جامعیت کے سبب انسان خلافتِ الٰہیہ کا مستحق بنا اور نورِ معرفت اور نارِ عشق

و محبت کا متحمل ہوا۔ جس کا نتیجہ بے کیف معیتِ الٰہیہ کا حصول ہے کیوں کہ رسولِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ" (مسلم، حدیث نمبر: 2640)

ترجمہ: "ہر انسان اس فرد کے ساتھ ہو گا جس سے اس کو محبت ہے۔"

انسان میں تجلیاتِ الٰہیہ کی قابلیت اور معیتِ الٰہیہ کا جو درجہ انسان کو حاصل ہے، اس کی وجہ سے حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا یہ ہوا کہ اس کو مسجودِ ملائکہ بنایا جائے، چناچہ ارشاد ہوا: ﴿فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ﴾ (الحجر: 29)

ترجمہ: "لہذا جب میں اس کو پوری طرح بنا لوں، اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدے میں گر جانا "

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ راولپنڈی کے شب و روز

الحمد للہ خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ میں حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم کے دروس و خطبات کا سلسلہ نہایت پابندی کے ساتھ جاری و ساری ہے جس سے طالبانِ حق مسلسل سیراب ہو رہے ہیں۔ دروس کی تفصیل درج ذیل ہے:

آج کی بات

روزانہ صبح بعد از نمازِ فجر تین مختصر بیانات ہوتے ہیں

درسِ قرآن

ریاض الصالحین سے ایک حدیث شریف کی تعلیم

مطالعہ سیرت بصورت سوال

جمعۃ المبارک:

کسی ایک مسجد میں جمعہ کا بیان

ختم قرآن، مجلس درود شریف اور اس کے بعد جمعہ کی آخری گھڑیوں میں دعا (عصر اور مغرب کے درمیان)

ہفتہ:

حضرت مولانا اشرف سلیمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "سلوکِ سلیمانی" اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تربیت السالک" کا درس بعد (نمازِ مغرب)

بعد از عصر (ہفتہ) تا اشراق (اتوار) تک مرد حضرات کے لیے خانقاہ میں اصلاحی و تربیتی جوڑ ہوتا ہے جس کے معمولات یہ ہیں: نمازِ عصر کے بعد انفرادی ذکر، نمازِ مغرب اور اوابین کے بعد جوڑ بیان اور مجلس ذکر میں شرکت، نمازِ عشاء کے بعد منزل جدید کی تلاوت، سورہ ملک کی تلاوت، ختمِ خواجگان، مجلسِ درود شریف، حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "اسوۂ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم" سے تعلیم، کھانے پینے

اور سونے کے آداب و سنن کی تعلیم، کھانا، آرام، نمازِ تہجد اور انفرادی معمولات، ختمِ قرآن اور نمازِ اشراق

اتوار:

خواتین کے لیے اصلاحی بیان)دن 11 سے 12 بجے تک خانقاہ میں شرعی پردے کے اہتمام کے ساتھ (۔ نوٹ: ہر ماہ میں کسی ایک اتوار کو خانقاہ میں صبح 9 سے 12 بجے تک تین گھنٹے کا خواتین کیلئے اصلاحی و تربیتی خصوصی جوڑ ہوتا ہے۔

فرض عین علم کی تعلیم (بعد نمازِ مغرب)

انگریزی میں بیان (رات 8 بجے)

پیر:

پشتو میں بیان (بعد نمازِ عصر)

اصلاح و تربیت کے متعلق (بذریعہ وٹس ایپ، ای میل اور ٹیلی فون پر موصول ہونے والے) سوالات کے جوابات (بعد نمازِ مغرب)

منگل:

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآرا کتاب مثنوی شریف کا درس (بعد نمازِ مغرب)

بدھ:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات شریفہ سے درس(بعد نمازِ مغرب)

جمعرات:

حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم" سے درس (بعد نمازِ مغرب)

درود شریف کی مجلس (درودِ تنجینا ایک ہزار مرتبہ، اسکے بعد نعت شریف، چہل درود شریف کی سماعت اور مناجاتِ مقبول سے دعا)

برائے رابطہ و معمولات

حضرت اقدس شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم سے فون پر بات کرنے کیلئے دن 2 بجے سے 3 بجے تک کے اوقات مختص ہیں۔فون کال کرتے وقت ان باتوں کا خیال رکھیں: مختص اوقات کے علاوہ اور جمعہ کے دن فون نہ کریں۔ فون کرنے کیلئے پی ٹی سی ایل نمبر 051-5470582ہے۔ فون اگر مصروف ہو تو انتظار کریں، اسکے لئے موبائیل پر کال نہ کریں۔ وٹس ایپ پر کال بالکل نہ کریں۔

میسج کرتے وقت ان باتوں کا خیال رکھیں: اپنے ذکر و مراقبہ اور احوال کی اطلاع کیلئے یا تصوف سے متعلق سوالات وٹس ایپ نمبر 0315-5195788 پر بھیجیں۔ میسج کرتے وقت اپنا اور شہر کا نام بھی لکھیں ۔ اپنے اذکار و مراقبہ کی مکمل تفصیل اور کیفیت لکھیں ۔ رومن اردو میں ٹیکسٹ بالکل نہ بھیجیں، کوشش کریں کہ صرف اردو کی بورڈ استعمال کریں وہ نہ ہو تو انگریزی میں لکھ لیں۔ سوال جواب والے وٹس ایپ نمبر پر آڈیو میسج اور ذاتی مسائل نہ بھیجیں۔ معمولات شیٹ اگر ای میل کی جائیں تو انکا سکین صاف پڑھا جانا چاہیے۔ میسج بامقصد اور اپنی اصلاح کی نیت سے ہو۔ سوالات کے جواب پیر کے دن مغرب کے بعد کی مجلس میں دیئے جاتے ہیں۔تب تک اپنے معمولات بغیر تبدیلی کے جاری رکھیں۔

دیگر بیانات و معمولات

14 فروری 2023 بروز منگل – رفاہ میڈیکل یونیورسٹی کے ڈاکٹروں سے مریضوں کی عیادت اور دیکھ بھال کی ذمہ داریوں سے متعلق موضوع پر بیان ہوا۔

24 فروری 2023 بروز جمعہ – جامع مسجد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جہانگیرہ میں پشتو زبان میں جمعہ کا بیان ہوا۔

3 مارچ 2023 بروز جمعہ – جامعہ صیانۃ العلوم اسلام نگر سندر ملتان روڈ لاہور میں جمعہ کا بیان ہوا۔

3 تا 5 مارچ 2023 بروز جمعہ ہفتہ اتوار، حضرت صوفی محمد اقبال صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے خلفاء کا جوڑ لاہور میں منعقد ہوا، جس میں حضرت اقدس شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم اور سلسلے کے دیگر ساتھیوں نے شرکت فرمائی۔

5 مارچ 2023 بروز اتوار – حضرت مفتی محمد صدیق صاحب کی رہائش گاہ پر خواتین کیلئے اصلاحی اور تربیتی جوڑ ہوا۔ اس جوڑ کیلئے حضرت نے دن گیارہ بجے لاہور سے آن لائین بیان فرمایا۔ جوڑ کے موضوعات یہ تھے۔ -1 عزت دین میں ہے۔ -2 فضائل رمضان المبارک، -3 دعاؤں کی رات یعنی شبِ برات

7 مارچ منگل اور 8 مارچ بدھ کی درمیانی رات خانقاہ میں شبِ برات میں شب بیداری اور عبادات کی گئیں اور دن کو مسنون روزہ رکھا گیا۔ سلسلے کے اکثر ساتھیوں نے ایام بیض یعنی 13، 14 اور 15 شعبان کے روزے رکھے جس میں پیر کے دن کا روزہ بھی شامل تھا۔ اس طرح الحمد للہ تین طرح کی سنتیں ایک ساتھ ادا ہو گئیں۔

9 مارچ 2023 بروز جمعرات – القادر یونیورسٹی سوہاوہ میں 8،9 مارچ کو پہلی دو روزہ انٹرنیشنل تصوف کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس کا موضوع تھا (عصرِ حاضر میں) تصوف کی ضرورت و اہمیت۔ اس میں دوسرے روز آخری سیشن میں حضرت اقدس شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم کا بیان ہوا جس میں حضرت نے حقیقی تصوف کی آگاہی، مقصد اور طریقہ کار پر جامع بیان فرمایا۔

10 مارچ 2023 بروز جمعہ – جامع مسجد ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ، سیکٹر H9 اسلام آباد میں جمعہ کا بیان ہوا۔

16 مارچ 2023 بروز جمعرات – رفاہ میڈیکل یونیورسٹی میں رمضان المبارک کے فضائل پر بیان ہوا۔

17 مارچ 2023 بروز جمعۃ المبارک دربار مسجد، زیارت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں پشتو زبان میں جمعہ کا بیان ہوا۔

17 مارچ 2023 بروز جمعۃ المبارک حضرت کے آبائی گاؤں جہانگیرہ میں نئی مسجد کی تعمیر مکمل ہونے پر بعد از عصر درود شریف کی مجلس منعقد ہوئی۔ حضرت دامت

برکاتہم نے پشتو زبان میں بیان فرمایا اور جمعۃ المبارک کی آخری گھڑیوں میں خصوصی دعا فرمائی۔ مسجد کا نام مسجدِ احسان رکھا گیا۔

19 مارچ 2023 بروز اتوار – خانقاہ میں 3 گھنٹے کا خواتین کا اصلاحی اور تربیتی جوڑ ہوا۔ جوڑ کے موضوعات یہ تھے:

1۔ رمضان المبارک کے لمحات کو قیمتی بنائیں،

2۔روزہ اور اعتکاف کے مسائل

19 مارچ 2023 بروز اتوار – جامع مسجد الرشید اسلام آباد میں عظمتِ قرآن کانفرنس کیلئے خانقاہ سے آن لائین بیان ہوا۔

20 مارچ 2023 بروز پیر – حضرت اقدس شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم رمضان المبارک میں ادائیگی عمرہ کیلئے حجازِ مقدس تشریف لے گئے۔

15 روزہ میراث و فلکیات کورس کا انعقاد

ادارۃ العلوم العصریہ (جہانگیرہ) میں مدارس کے اساتذہ اور علما کرام کے لیے 4 تا 19 مارچ 2023، 15 روزہ میراث و فلکیات کورس کا انعقاد ہوا۔ ابتدا کے دو دنوں میں علمائے کرام کو ضروری ریاضی کے اصول سکھائے گئے اور انکی مشق کرائی گئی۔ کورس شرکاء کی کم تعداد کے باعث بقیہ کورس کا انعقاد خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ راولپنڈی میں کیا گیا۔ حضرت اقدس شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم نے 6 تا 12 مارچ تک میراث پڑھائی اور 13 تا 17 مارچ فلکیات پڑھائی اور 19 مارچ کو کورس شرکاء کا امتحان ہوا۔

بچوں کے لئے خصوصی تربیتی پروگرام

آج کے اس دورِ پر فتن میں جہاں مسلمانوں کو بہت سے مصائب کا سامنا ہے وہاں ایک بہت بڑا چیلنج اپنے بچوں کی اچھی ظاہری اور باطنی تربیت بھی ہے۔ آج ہمارے بچے انٹرنیٹ، موبائل اور سوشل میڈیا کی گندی ثقافتی یلغار کی زد میں ہیں اور اعمال کے ساتھ ساتھ اب ایمان بچانا بھی مشکل نظر آتا ہے۔ موجودہ دور کے چیلنجز اور تقاضوں

کو سامنے رکھتے ہوئے بچوں کی بہترین ظاہری اور باطنی تربیت کے لیے خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ کی جانب سے ہفتہ وار آن لائن تربیتی پروگرام کا انعقاد کیا گیا ہے۔ ہر اتوار کو اس کے لیے زوم کا استعمال کرتے ہوئے لائیو کلاس منعقد کی جاتی ہے جو کہ بعد میں تربیتی پروگرام کے یوٹیوب چینل پر بھی اپلوڈ کر دی جاتی ہے۔ اس تربیتی پروگرام کو تین سیشنز میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا سیشن 1 سے 9 سال کے بچوں کے لیے ہوتا ہے جس میں دلچسپ کہانیوں کے ذریعے بچوں میں بہترین دینی اور دنیاوی اقدار و اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور ساتھ ساتھ ارکانِ اسلام کے بنیادی مسائل سے بھی آگاہ کیا جاتا ہے۔ دوسرا سیشن 10 سے 14 سال کے بچوں کے لیے ہوتا ہے جس میں بچوں میں اچھی عادات اور ذکر و تسبیحات کی تلقین کے ساتھ ساتھ قصص الانبیاء میں سے کچھ واقعات اور ان سے حاصل ہونے والے مفید اسباق بتائے جاتے ہیں۔ تیسرا سیشن 15 سال اور اس سے بڑے بچوں کے لیے ہوتا ہے جس کے اندر بچوں میں اپنی اصلاح کی فکر پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو قربِ الٰہی حاصل کرنے کے طریقے اور مواقع بھی سکھائے اور بتائے جاتے ہیں اور آج کے دور کے تازہ فتنوں کے بارے میں آگاہی اور ان سے بچنے کی تربیت بھی کرائی جاتی ہے۔ اگر آپ اپنے بچوں کی بہترین دینی اور دنیاوی تربیت کے خواہاں ہیں اور اس تربیتی پروگرام میں اپنے بچوں کو شامل کرانا چاہتے ہیں تو مندرجہ ذیل وٹس ایپ گروپ میں شامل ہو جائیں۔ اس گروپ میں کلاس کا لنک اور تفصیلات بتا دی جائیں گی۔ گروپ میں شامل ہونے کے لئے اس نمبر پر بھی رابطہ کیا جا سکتا ہے۔ گوہر انوار صاحب 03335383171

ضروری اطلاعات

رمضان المبارک میں مغرب کے بعد والے تمام بیانات عصر کی نماز کے بعد ہوں گے۔

الحمدللہ، پاکستان کے تمام شہروں کیلئے رمضان المبارک کے سحری و افطاری کے اوقات کے مستند نقشے تیار ہو چکے ہیں۔ جو ویب سائیٹ tazkia.org سے ڈاؤنلوڈ کئے جاسکتے ہیں۔ مزید اگر کسی نے اپنی تحصیل، شہر یا ضلع کیلئے نقشہ بنوانا ہو تو مندرجہ

ذیل نمبروں پر رابطہ کرے: عمر علی صاحب۔ 03335283407، 03215846295

خانقاہ رحمکاریہ امدادیہ میں ہر سال کی طرح باجماعت تراویح کا اہتمام کیا گیا ہے۔ جس میں دورانِ ترویحہ اصلاحی مجلس بھی ہوتی ہے۔ پہلا ختم قرآن ان شاءاللہ 20 رمضان المبارک کو ہوگا۔

ان شاءاللہ، جامع مسجد ابوبکر صدیق جہانگیرہ میں آخری عشرہ رمضان میں حضرت شیخ سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب دامت برکاتہم کی زیر نگرانی خصوصی اصلاحی اجتماعی اعتکاف ہوگا۔ جو ساتھی اس میں شامل ہونا چاہتے ہیں وہ ان نمبروں پر بروقت اطلاع کر دیں۔ حضرت سید عبید الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم 03325289274، 03215289274